ڈاکٹر رفاقت علی شاہد

استاد شعبہ اردو،لاہور گیریژن یونیورسٹی،لاہور

صاحبزادہ حیدر علی خاں حیدؔر اور ''جادۂ تسخیر''

Dr. Rfaqat Ali Shahid

Department of Urdu, Lahore Garrison University, Lahore

Sahibzada Haider Ali Khan Haider and *Jada-e-Taskheer*

Sahibzada Haider Ali Khan Haider is an important Urdu tale writer (Qissa nigar). He wrote *Jada-e-Taskheer* which has excessive importance in the history of Urdu tales because of its style and interesting story. Haider was a land lord of Rampur state. He was younger son of Nawwab Yousuf Ali Khan (emperor of Rampur) and younger brother of Nawwab Kalb e Ali Khan (successor of his father Nawwab Yousuf Ali Khan). He was borne in around 1263 AH (1846-47 AD) and died in 1902 AD (1319 AH). He wrote *Jada-e-Taskheer* in 1283 AH (1866-67 AD) and has published twice in 1284 AH (1867-68 AD) and 1289 AH (1872 AD). It has been edited by Salim Sohail and is going to be published in 2012.

بنیادی کوائف:

حیدر علی خاں نے اپنا نام ''محمد حیدر علی خاں'' اور اپنی ولدیّت ''نواب یوسف علی خاں الملقّب بفردوس مکاں'' لکھی ہے۔(۱) مولوی نجم الغنی رام پوری نے اُن کا نام ''صاحب زادۂ سیّد حیدر علی خاں''، امیؔر مینائی نے ''صاحب زادہ محمد حیدر علی خاں بہادر'' اور لالہ سری رام نے ''عالی جناب نواب حیدر علی خاں بہادر'' لکھا ہے۔(۲) مولوی نجم الغنی اور امیؔر مینائی معاصر اور معتبر تذکرہ نگار ہیں۔ اوّل الذکر رام پوری تھے اور اُنھوں نے ریاست رام پور اور والیانِ رام پور کی مفصّل تاریخ لکھی ہے،

جب کہ امؔیر مینائی عرصۂ دراز تک رام پور کی ریاست کے متوسّل رہے اور اپنا تذکرہ حیدر علی خاں کی زندگی میں لکھا۔ دونوں تذکرہ نگار رام پور کے شاہی خاندان سے اچھی طرح واقف تھے، اس لیے دونوں کے بیانات مستند اور قابلِ قبول ہیں، لیکن نجم الغنی نے حیدر علی خاں کا نام ''محمد'' کے بغیر اور امؔیر مینائی نے ''محمد'' کے التزام کے ساتھ لکھا ہے؛ اسی طرح امؔیر مینائی نے اُن کے نام میں ''سیّد'' کا اضافہ نہیں کیا، جب کہ نجم الغنی نے اس کا التزام کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نے عمداً حیدر علی خاں کے نام کے ساتھ ''محمد'' اور دوسرے نے ''سیّد'' نہیں لکھا، کیوں کہ اُنھوں نے حیدر علی خاں کے والد نوب محمد یوسف علی خاں، بھائی نواب کلبِ علی خاں اور شاہی خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ بھی بالترتیب ''محمد'' اور ''سیّد'' کا اضافہ نہیں کیا۔ خود حیدر علی خاں اور امؔیر مینائی کے بیانات کی بنیاد پر ''محمد'' کو حیدر علی خاں اور اُن کے متعلقین کے نام کا جزو سمجھنا چاہیے۔

نواب محمد یوسف علی خاں فرماں روائے ریاست رام پور تھے۔ اُن کی وفات کے بعد حیدر علی خاں کے بڑے بھائی نواب کلبِ علی خاں ریاست کے فرماں روا ہوئے۔ حیدر علی خاں کے نام کے ساتھ ''صاحب زادہ'' اور ''بہادر'' کے القاب خاندانی اور شاہی روایت کا حصّہ لگتے ہیں۔ لالہ سری رام نے اُن کے ساتھ ''نواب'' کا لقب بھی لکھا ہے لیکن اس کی تصدیق کسی معاصر ماخذ اور خاندانی روایات سے نہیں ہوتی۔

حیدر علی خاں کی تاریخِ پیدائش معلوم نہیں۔ امؔیر مینائی نے اُن کے ذکر میں اُن کی عمر ستائیس سال لکھی ہے۔ (۳) امؔیر مینائی نے اپنا تذکرہ ۱۲۹۰ھ میں ایک سال کی مدّت میں مکمل کیا۔ انتخابِ یادگار اس کا تاریخی نام ہے۔ (۴) گویا تذکرے کی تسوید کا آغاز ۱۲۸۹ھ میں ہوا۔ اگر ۱۲۹۰ھ میں حیدر علی خاں کا ترجمہ تذکرے میں داخل کیا گیا تو اس حساب سے اُن کا سالِ پیدائش ۱۲۹۰-۲۷=۱۲۶۳ھ بنتا ہے۔ لالہ سری رام اور علی جواد زیدی نے غالباً اسی حساب سے اُن کا سالِ پیدائش ۱۲۶۳ھ/۴۷-۱۸۴۶ء لکھا ہے، (۵) لیکن اس کا قوی امکان ہے کہ امؔیر مینائی نے حیدر علی خاں کا ترجمہ آغازِ تذکرہ کے بعد جلد ہی، ۱۲۸۹ھ ہی میں داخلِ تذکرہ کیا ہو، کیوں کہ امؔیر مینائی؛ رام پور کے شاہی خاندان کے افراد سے اچھی طرح واقف تھے۔ اُن کے لیے سخن گویانِ خاندانِ شاہی کے حالات درج کرنا نسبتاً سہل تھا، جب کہ دیگر شعرا کے حالات حاصل کرنے کے لیے اُنھیں خاصی تگ و دو کرنی پڑی ہوگی؛ پھر حیدر علی خاں تالیفِ تذکرہ کے وقت رام پور میں تھے، امؔیر مینائی سے زیادہ دُور نہیں تھے اور اُن کے لیے اجنبی نہیں تھے۔ ان شواہد سے یہ امکان قوی تر ہو جاتا ہے کہ امؔیر مینائی نے حیدر علی خاں کا ترجمہ ۱۲۸۹ء میں داخلِ تذکرہ کیا ہو۔ ایسی صورت میں ۱۲۸۹-۲۷=۱۲۶۲ھ کو بھی حیدر علی خاں کے سالِ پیدائش کے طور پر مدِّنظر رکھنا چاہیے۔

لالہ سری رام کا بیان ہے کہ ''نواب فردوس مکاں [نواب یوسف علی خاں] نے نہایت توجہ سے جملہ علوم وفنون اُنھیں تعلیم کرائے''۔ (۶)

شادی:

حیدر علی خاں کی شادی کا ذکر متعدد مآخذ میں ملتا ہے۔ سب سے تفصیلی ذکر مولوی نجم الغنی کے ہاں ہے۔ اُنھوں نے

حیدرعلی خاں کی شادی کی جو تفصیلات مہیّا کی ہیں، اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تفصیلات معتبر ذریعے سے اُن تک پہنچی ہیں۔ اس شادی کی تفصیل مولوی نجم الغنی ہی کی زبانی ملاحظہ کیجیے:

> ۱۲۷۷ ہجری میں صاحب زادۂ سیّد حیدرعلی خاں خلفِ اوسط کی شادی دخترِ شمسۂ تاج دار بیگم بنتِ نواب سیّد احمد علی خاں کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ نواب سیّد یوسف علی خاں نے اِس تقریب میں تمام ملازمانِ سول وملیٹری کو جوڑے اور خلعت مرحمت فرمائے، شہر کے کل باشندوں کو کھانا تقسیم ہوا۔ ہر ہر محلّے کے ہر ہر گھر میں ہر ہر شخص کو حصّہ ملا۔ اربابِ نشاط کے طائفے دُور دُور سے آئے اور تمام شہر میں رقص وسرور کی محفلیں گرم ہوئیں۔ یہ جشن رام پور میں ہمیشہ اہلِ شہر کو یاد رہنے کے قابل ہے کہ شادی کے دن ہر شخص دُلھا بنا ہوا تھا۔ شہر میں جا بجا شربت کی سبیلیں تھیں اور ہر ایک کنویں میں شکر ڈلوائی گئی تھی۔ روشن باغ سے مکانِ عروس تک، جس کا فاصلہ کچھ کم تین میل ہے؛ دورُویہ روشنی اور آتش بازی کا لطف قابلِ دید تھا۔ مسٹر جان انگلس صاحب ایجنٹ ریاست اور دوسرے حکّام اضلاع بریلی ومرادآباد بھی اس جشن میں شریک تھے۔ اس تقریب میں ایک لاکھ نو ہزار ایک سو اسی روپے پانچ آنے صرف میں آئے تھے۔ (۷)

صاحب زادہ حیدرعلی خاں حیدؔر کی شادی کے اس تفصیلی بیان سے درج ذیل امور واضح ہوتے ہیں۔

ا) اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب یوسف علی خاں نے اپنے بیٹے حیدرعلی خاں کی شادی بڑے اہتمام اور خاصی دھوم دھام سے کی۔ اس میں شرکت کے لیے دیگر کے علاوہ اعلا ترین انگریزی عہدے داروں کو بھی مدعو کیا، بے دریغ روپیا خرچ کیا، خود بھی حیدؔر کی شادی کے سہرے کہے اور دیگر شعرا نے بھی سہرے کہے۔ اس کے مقابلے میں اُنھوں نے اپنے بڑے بیٹے اور ولی عہدِ ریاست نواب کلبِ علی خاں کی شادی کے موقعے پر کوئی خاص اہتمام نہیں کیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ نواب یوسف علی خاں کو اپنے منجھلے بیٹے صاحب زادہ حیدرعلی خاں سے نسبتاً زیادہ اُنسیّت اور لگاؤ تھا۔ اس سلسلے میں لالہ سری رام کے متذکرہ بالا بیان کے علاوہ مولوی نجم الغنی کے درجِ ذیل بیان سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے:

> میں نے بعض معتبر اشخاص سے یہ سُنا کہ نواب سیّد یوسف علی خاں بہادر کو اپنی اولاد میں صاحب زادہ سیّد حیدر علی خاں سے بہت محبت تھی۔ (۸)

ب) حیدرعلی خاں حیدؔر کی شادی خاندان ہی میں ہوئی۔ اُن کی شادی شمسۂ تاج دار بیگم کی بیٹی سے ہوئی جو خود بھی ریاست رام پور کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ (۹)

ج) حیدرعلی خاں حیدؔر کی شادی چھوٹی عمر میں ہوئی۔ اوپر کی بحث میں حیدؔر کے سالِ پیدائش کا اندازہ ۱۲۶۲ھ یا ۱۲۶۳ھ کیا گیا ہے، جب کہ مولوی نجم الغنی نے اُن کی شادی ۱۲۷۷ھ میں ہونے کی اطّلاع دی ہے۔ (۱۰) گویا شادی کے وقت حیدؔر کی عمر چودہ یا پندرہ برس کی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رام پور کے شاہی خاندان میں بچوں کی شادیاں جلد کر دی جاتی تھیں۔ حیدؔر کی طرح اُن کے بھتیجے اور نواب کلبِ علی خاں کے جانشین سیّد ذوالفقار علی خاں کی شادی پندرہ سال کی عمر میں کر دی

گئی تھی (ولادت: ۱۲۷۲ھ، شادی: ۱۲۸۷ھ)۔ [۱۱] اس کے علاوہ نواب حامد علی خاں کی شادی فروری ۱۸۹۴ء میں پونے انیس سال کی عمر میں ہوئی (ولادت: رجب ۱۲۹۲ھ مطابق اگست ۱۸۷۵ء)[۱۲] حامد علی خاں کی شادی دیر سے غالباً اس لیے ہوئی کہ نواب مشتاق علی خاں کی اچانک موت کے باعث فروری ۱۸۸۹ء میں چودہ سال کی عمر میں اُنھیں فرماں روائے ریاست مقرر کیا گیا اور پھر فوراً انگریزی تعلیم کے لیے نینی تال بھیج دیا گیا۔ [۱۳]

صاحب زادہ سیّد محمد حیدر علی خاں حیدؔر کی شادی کے موقعے پر چند سخن گویوں نے سہرے بھی کہے۔ سب سے زیادہ سہرے خود والدِ نوشہ یعنی نواب یوسف علی خاں ناظمؔ نے کہے۔ انھوں نے اپنے بیٹے کی شادی کے تین سہرے کہے؛ دو نو نو شعروں کے اور ایک سات شعروں کا۔ [۱۴] ان کے علاوہ حیدر کے اُستادِ سخن ذکی الدین ذکیؔ بلگرامی اور شاہی خاندان کے ایک شاعر اور نواب یوسف علی خاں ناظمؔ کے دُور کے رشتے دار صاحب زادہ محمد عباس علی خاں بیتابؔ نے بھی حیدؔر کی شادی کے سہرے کہے۔ [۱۵]

ولی عہدی کا قضیہ:

حیدؔر کے سُسر اور ساس نے اُنھیں نواب یوسف علی خاں کا ولی عہد بنانے کی بھی کوشش کی۔ اس کی تفصیل صرف مولوی نجم الغنی نے فراہم کی ہے۔ چوں کہ یہ خالصتاً سیاسی معاملہ تھا، اس لیے کسی اَور نے اس کی تفصیل نہیں دی۔ مولوی نجم الغنی کے مطابق نواب یوسف علی خاں کے بڑے بیٹے نوب کلبِ علی خاں تھے۔ اُنھوں نے اپنا پدری مذہب اثناعشری چھوڑ کر ''ابتدائے سنِ شعور سے مذہب اہلِ سنت اختیار کر لیا تھا''، اور نواب یوسف علی خاں کی ترغیب کے باوجود اپنے مذہب پر قائم رہے؛ دوسرے: نواب یوسف علی خاں کو بڑے بیٹے کی نسبت حیدؔر سے زیادہ انسیّت اور محبت تھی؛ تیسرے: شمسۂ تاج دار بیگم پہلے سے ریاست رام پور کی حکم رانی کی دعوے دار تھیں، حیدؔر کی دامادی کے بعد اُن کے دعوے اور اُن کی کوششیں اُسے ولی عہد بنانے میں مبتدل ہو گئیں۔

ان عوامل کے باعث شمسۂ تاج دار بیگم اور اُن کے شوہر سیّد مہدی علی خاں نے حیدر علی خاں حیدؔر کو نواب یوسف علی خاں کا ولی عہد بنانے کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ اُن کی کوششوں اور مندرجہ بالا عوامل کے سبب نواب یوسف علی خاں بھی حیدؔر کی ولی عہدی پر مائل نظر آئے اور انگریز حکومت میں اس کے لیے تحریک بھی کی لیکن صاحب زادہ سیّد علی اصغر خاں آڑے آ گئے۔ وہ انگریز افسروں میں ''بڑی رسائی'' رکھتے تھے اور در پردہ نواب کلبِ علی خاں سے موافق تھے۔ اُنھوں نے انگریزی افسروں پر واضح کیا کہ کاروبارِ ریاست چلانے کی قابلیّت کلبِ علی خاں میں ہے حیدر علی خاں میں نہیں، چناں چہ اُن کی کوششوں سے نواب یوسف علی خاں کی خواہش پوری نہ ہوئی اور انگریز حکّام نے ولی عہد کے طور پر حیدر علی خاں حیدؔر کی منظوری نہیں دی اور کلبِ علی خاں کو پروانۂ منظوری عطا کر دیا۔ بعد میں نواب یوسف علی خاں بھی انگریز حکّام کے اس فیصلے سے متفق ہو گئے اور نواب کلبِ علی خاں کو اپنا ولی عہد اور جانشین مقرر کر دیا۔ [۱۶]

اسی رنجش کے سبب حیدر علی خاں اور اُن کے بھائی کلبِ علی خاں میں کبھی نہیں بنی اور وہ ایک دوسرے کے لیے مشکلات ہی پیدا کرتے رہے، دونوں فہم وفراست سے کام لیتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ مناسب رویہّ رکھتے اور ایک دوسرے سے ہوشیار بھی رہتے۔ اس اَمر کے کچھ واقعات مولوی نجم الغنی نے اپنی تاریخ میں بیان کیے ہیں جن کی تفصیل آگے آتی ہے۔

حیدر علی خاں حیدؔر کے دیگر حالات:

مولوی نجم الغنی رام پوری نے اپنی تاریخ میں موقع بہ موقع حیدر علی خاں حیدؔر کے کچھ واقعات اور اُن سے متعلق خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان حالات وخیالات کی تفصیل سے حیدؔر کی شخصّیت کے خدوخال واضح ہوتے ہیں اور اُن کی سر گرمیوں اور اہلیّت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ یہاں ان واقعات کو تاریخی ترتیب سے درج کرنے کی کوشش کی جاتی ہے:

نواب کلبِ علی خاں کی تخت نشینی کے پندرھویں سال ۱۸۷۰ء میں ڈیوک آف ایڈنبرا؛ ہندُستان آئے۔ اُن سے ملاقات کے لیے مختلف والیانِ ریاست نے اہتمام کیا۔ نواب کلبِ علی خاں نے بھی ڈیوک آف ایڈنبرا سے ۱۸ر شوال ۱۲۸۶ھ (مطابق ۲۱ر جنوری ۱۸۷۰ء) کو آگرے میں ملاقات کی۔ اس ملاقات میں جو وفد نواب کے ساتھ تھا، اُس میں حیدر علی خاں حیدؔر بھی شامل تھے؛ (۱۷) گویا ۱۸۷۰ء میں حیدر علی خاں حیدؔر کو اتنی اہمّیت ضرور حاصل تھی کہ اعلاترین انگریز حکم ران شخصیت کے ساتھ ملاقات میں ریاست کے شاہی وفد کی نمائندگی کریں۔ زیادہ امکان اسی کا ہے کہ نوب کلبِ علی خاں نے سیاسی مصلحت کے تحت حیدر علی خاں حیدؔر کو یہ اہمیّت دی ہوگی۔

نواب کلبِ علی خاں کو حج وزیاراتِ حرمین شریفین کا شوق عرصے سے تھا۔ تخت نشینی کے اٹھارویں سال جب اُنھیں ریاستی وحکومتی معاملات سے قدرے فراغت نصیب ہوئی تو اُنھوں نے حج وزیارات پر جانے کا مصمّم ارادہ کرلیا۔ ۲۳ر رمضان ۱۲۸۹ھ مطابق ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو وہ چار سو افراد کے قافلے کے ساتھ سفرِ حج کے لیے روانہ ہوئے۔ اس سفرِ حج میں حیدر علی خاں حیدؔر بھی شریک تھے لیکن وہ بمبئی میں نواب کلبِ علی خاں کے قافلے سے ملے۔ (۱۸) اُس وقت اُن کی رہائش رام پور میں نہیں تھی۔ اس سفرِ حج میں حیدر علی خاں حیدؔر کی شرکت اُن کی سیاسی مصلحت کے سبب تھی، نہ کہ اس سفر میں وہ اپنی خوشی اور مذہبی عقیدت کی وجہ سے شریک ہوئے۔ اس کی تفصیل جنرل اعظم الدین خاں نے اپنی اُس رپورٹ میں لکھی ہے جو اواخر ۱۸۸۷ء میں اُس نے گورنر یوپی کو پیش کی تھی۔ اس میں وہ لکھتے ہیں:

> یہ واقعہ مسلّم ہے کہ جب نواب سیّد کلبِ علی خاں بہادر نے سفرِ عرب کی، حج کی غرض سے؛ تیاری کی تو اُس وقت اپنا یہ اندیشہ کہ یہ صاحب زادے [سیّد محمد حیدر علی خاں] بہت چالاک ہیں اور میری غیبت میں خاندان کی خلل اندازی کے لیے مستعد ہیں، اپنے بعض انگریز دوستوں سے، کہ بعض اُن میں سے انگلستان میں ہیں اور باقی ماندہ ابھی تک یہیں مُلک میں ہیں؛ بیان کیا تھا۔ نواب صاحب مرحوم کو واقعی گمان تھا کہ یہ صاحب زادے صاحب بالخاصیت حوصلہ مند اور چالاک ہیں، خاندانیوں کو زیادہ تکلیف دیں گے اور میرے

ہندوستان سے جانے کے بعد انتظامِ ریاست میں بھی خرابی لائیں گے، چناں چہ اُنھوں نے اپنے اس خیال کی نسبت سر ولیم میور صاحب بہادر سے، جو اُس وقت ممالکِ مغربی وشمالی (ممالکِ متحدہ) کے لفٹنٹ گورنر تھے؛ مشورہ کیا جنھوں نے صاحب زادہ صاحب کی سکونت کو رام پور کے قریب سے منتقل کرنا تجویز کیا اور جس وقت یہ حکمِ قطعی دیا گیا کہ رام پور سے فاصلۂ بعید پر سکونت اختیار کریں، تو صاحب زادے صاحب نے نواب صاحب کی اطاعت اختیار کر کے بمبئی پہنچ کر شرکت کی اور اپنی در پردہ چالاکیوں سے معذرت کر کے مکّے تک ہم راہ گئے۔ (۱۹)

جنرل اعظم الدین خاں کے اس بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ محض مصلحتِ وقت کے تحت حیدر علی خاں حیدؔر کو اس سفرِ حج میں شرکت کرنی پڑی۔

اس بیان سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ حیدر علی خاں حیدؔر نے نواب کلبِ علی خاں کے لیے بڑی مشکلات پید اکیں، لیکن ایسی کسی بڑی مشکل یا مسئلے کی کوئی تفصیل مولوی نجم الغنی کے ہاں نہیں ملتی۔ اس بیان کا بین السطور یہ کہتا ہے کہ نواب کلبِ علی خاں کی حیدر علی خاں حیدؔر کی مبیّنہ شورش اور چالاکیوں سے بچنے کے لیے عملی کوششیں محض حفظِ ماتقدم کے طور پر تھیں۔ ممکن ہے اپنی ساس شمسۂ تاج دار بیگم اور سُسر سیّد مہدی علی خاں کے ساتھ مل کر حیدر علی خاں حیدؔر اپنی ساس کے دعوائے تخت نشینی کی حمایت کرتے ہوں، لیکن اُن کی حکومت مخالف سرگرمیوں کی کوئی تفصیل کسی ذریعے سے نہیں ملتی، صرف بیان ملتے ہیں۔ صرف یہ تھا کہ حیدر علی خاں حیدؔر نے اپنی سکونت رام پور سے باہر اختیار کر لی تھی، اور اس کی وجہ بھی امکانی طور پر لفٹنٹ گورنر یو پی کا حکم تھی جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

ریاست رام پور کے عدالتی نظام میں ایک ''محکمۂ صدر'' بھی تھا جس میں عدالت سے متعلّق جملہ خط کتابت اور دیگر متعلّقہ کاروبارِ ریاست انجام دیے جاتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد نواب کلبِ علی خاں نے اس محکمے کا حاکم صدر صاحب زادہ سیّد عباس علی خاں خلف صاحب زادۂ سیّد عبدالعلی خان عرف منجھلے صاحب کو مقرر کیا۔ وہ فروری ۱۸۸۱ء میں وفات پا گئے تو اُن کی جگہ حیدر علی خاں حیدؔر کو اس محکمے کا حاکم صدر مقرر کیا گیا۔ (۲۰) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفرِ حج سے واپسی (محرم ۱۲۹۰ھ مطابق مارچ ۱۸۷۳ء) (۲۱) کے بعد ۱۸۸۱ء تک دونوں بھائیوں، نواب کلبِ علی خاں والی رام پور اور حیدر علی خاں حیدؔر کے درمیان اچھے تعلقات تھے؛ اتنے اچھے کہ والیِ رام پور نے حیدؔر کو ایک بڑے سرکاری عہدے پر فائز کیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایسا سیاسی مصلحت کے تحت ہو کہ حیدؔر کو سرکاری اُمور میں مصروف رکھا جائے تا کہ کسی سازش یا شورش کی منصوبہ بندی سے اُنھیں حتّی الامکان روکا جا سکے۔ وجہ کچھ بھی ہو، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۸۸۱ء میں حیدؔر کی سکونت رام پور ہی میں تھی اور وہ فرماں روائے ریاست رام پور کی اطاعت میں ہوں گے، جیسا کہ اس سے قبل سفرِ حج کے ذکر میں نشان دہی ہو چکی ہے۔

نواب کلبِ علی خاں کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ خزانہ ریاست سے وہ زکات نکالا کرتے تھے، چنانچہ وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو خزانۂ ریاست کی زکات کے پانچ لاکھ روپے موجود تھے۔ نواب صاحب کو مولوی ارشاد حسین سے خاص

انسیت تھی، اس لیے اُنھوں نے وفات سے تین چار روز قبل کمشنر بریلی کو خط لکھوایا کہ زکات کی یہ رقم کسی معتبر جگہ جمع کرا کے اس کا نفع مولوی ارشاد حسین کے تصرّف میں دے دیا جائے، بعد ازاں اُنھوں نے یہ پانچ لاکھ روپیا مولوی ارشاد حسین کو دینے کے زبانی احکامات بھی صادر کر دیے تھے، جب کہ اس مقصد کے لیے خط لکھا جا چکا تھا اور اس پر نواب صاحب کے دست خط بھی ہو چکے تھے، صرف نواب صاحب کی مہر لگنا باقی تھی کہ اُن کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی، چناں چہ حیدر علی خاں حیدؔر اور جنرل اعظم الدین خاں نے نواب صاحب کا خط اور زکات کا پیسا روک لیا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے اچھا اقدام کیا لیکن حاکمِ وقت کی حکم عدولی تو لازماً ہوئی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نواب کلبِ علی خاں کے آخری زمانے تک حیدر علی خاں حیدؔر کو اپنے بھائی والیِ رام پور سے موافقت تھی اور وہ کسی ایسے عہدے پر فائز تھے یا اُنھیں یہ اہم مقام حاصل تھا کہ ایک کلیدی سرکاری عہدے دار جنرل اعظم الدین خان کے ساتھ مل کر کوئی اقدام کر سکیں اور والیِ وقت کے کسی حکم کی خلاف ورزی کر سکیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نواب کلبِ علی خاں کے آخری دور تک حیدر علی خاں حیدؔر نے اُن کے لیے اور اُن کی حکم رانی میں کوئی بڑا یا قابلِ ذکر مسئلہ کھڑا نہیں کیا۔

نواب کلبِ علی خاں کی وفات کے بعد اُن کے بیٹے نواب سیّد مشتاق علی خاں ۲۷؍ جمادی الآخر ۱۳۰۴ھ مطابق ۲۳؍ مارچ ۱۸۸۷ء کو ریاست رام پور کے تختِ نشیں ہوئے تو دو دن بعد کمشنر رام پور لنگ نے دربار کر کے مشتاق علی خاں کو باقاعدہ مسند نشین کیا۔ اس موقعے پر حیدر علی خاں حیدؔر نے سب سے آخر میں ایک تقریر کی جس میں اپنے بھائی نواب کلبِ علی خاں کی وفات پر رنج کا اور مشتاق علی خاں کی مسند نشینی کو جائز قرار دے کر اپنے اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ (۲۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب کلبِ علی خاں کی وفات تک دونوں بھائیوں کے تعلقات خوش گوار تھے اور حیدؔر؛ رام پور ہی میں مقیم تھے، گویا انگریزی حاکموں کی شرط کے بموجب والیِ ریاست کے مطیع و فرماں بردار تھے۔

نواب مشتاق علی خاں نے تختِ نشیں ہونے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جنرل اعظم الدین خان کو اپنا مدار المہام مقرر کیا اور اعلان کیا کہ اُن کے ہر حکم کو والیِ ریاست کا حکم تصوّر کیا جائے۔ یہ سلسلہ چار ماہ تک چلا۔ اس کے بعد نواب مشتاق علی خاں نے جنرل اعظم الدین خاں کو معزول کرنے اور اُن کی جگہ حیدر علی خاں حیدؔر کو مدار المہام بنانے کا ارادہ کیا۔ جنرل اعظم الدین خاں کو اس کی اطّلاع ہوئی تو اس نے اپنی چرب زبانی سے اور اکھاڑ پچھاڑ کر کے نواب مشتاق علی خاں کو ایک بار پھر اپنا ہم نوا بنا لیا اور یوں حیدر علی خاں حیدؔر مدار المہام نہ بن سکے۔ یہ جولائی ۱۸۸۷ء کا زمانہ ہے۔ (۲۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک حیدؔر کو والیِ ریاست کی حمایت حاصل تھی اور اُن کے اور والیِ ریاست کے درمیان تعلقات خوش گوار تھے۔

جولائی ۱۸۸۷ء کے اس واقعے کے بعد ۸؍ نومبر ۱۸۸۸ء، یعنی تقریباً سوا سال بعد کی ایک رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ حیدر علی خاں حیدؔر کا نام ''اہلِ خاندان'' کی اُس فہرست میں شامل ہے ''جو خلافِ مرضیِ رئیسِ وقتِ ریاست سے غیر حاضر ہیں''۔ (۲۵) گویا جولائی ۱۸۸۷ء کے بعد اور نومبر ۱۸۸۸ء سے قبل کسی وقت حیدؔر کی نوّاب رام پور سے ناچاقی ہو گئی اور

وہ اطاعتِ فرماں رواسے منحرف ہوکر رام پور سے باہر سکونت پذیر ہوگئے۔

اس ناچاقی کی وجہ غالباً حیدر علی خاں حیدؔر کے وہ مطالبات رہے ہوں گے جن کا فیصلہ جولائی ۱۸۸۹ء میں کونسل آف ریجنسی نے کیا۔نواب کلبِ علی خاں کے انتقال کے بعد مستقل وظیفے اور خاندانی جایداد وغیرہ کے معاملات سے متعلق حیدر علی خاں حیدؔر نے لفٹنٹ گورنر ممالکِ متحدہ (یو پی) کو ریاست رام پور کے خلاف درخواست دے رکھی تھی۔اسی طرح کی مزید درخواستیں دیگر اہلِ خاندان کی جانب سے بھی گورنر یو پی کو دی گئی تھیں۔ان میں سے حیدر علی خاں حیدؔر کی درخواست کا فیصلہ ریاست رام پور کی کونسل آف ریجنسی (۲۶) نے ۴/جولائی ۱۸۸۹ء میں کر دیا، جسے ۸/جولائی ۱۸۸۹ء کو حیدر علی خاں حیدؔر نے ایجنٹ گورنمنٹ آف انڈیا متعینۂ رام پور کے رُوبرو تسلیم کیا۔یہ فیصلہ مولوی نجم الغنی کی کتاب سے یہاں نقل کیا جاتا ہے:

اہالیِ خاندان کا ریاست سے تصفیہ = اربابِ خاندان اور ریاست میں جو شکر رنجی اور مخالفت واقع تھی، وہ اس دور میں دُور ہونا شروع ہوئی، چناں چہ ۸/جولائی ۱۸۸۹ء کو صاحب زادہ سیّد حیدر علی خاں ابنِ نواب سیّد یوسف علی خاں بہادر نے فیصلہ مجوزہ کونسل آف ریجنسی رام پور مرقومہ ۴/جولائی کو صاحب ایجنٹ کے رُوبرو تسلیم کیا۔اس فیصلے میں تیرہ شرطیں ہیں:

نقل تجویز اجلاس کونسل آف ریجنسی ریاست رام پور:

جو کہ یہ معاملات زمانۂ انتقال نواب خلد آشیاں (نواب سیّد کلبِ علی خاں بہادر) نسبتِ نزاعِ محکمۂ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر اور ریاست میں زیرِ تجویز تھے اور نواب عرش آشیاں (نواب سیّد مشتاق علی خاں بہادر) کے زمانے میں ایک فیصلہ باہمی عبدالسلام خاں اور حمید الظفر خاں کے توسط سے ہوا تھا، وہ بھی بعض وجوہات سے اِس وقت تک زیرِ تجویز رہا۔نہایت خوشی کی بات ہے کہ اب کونسل آف ریجنسی نے اُن سب تنازعات کو رفع کر کے اُن کا تصفیہ حسبِ ذیل کر دیا۔جو پہلے کاغذات اور کارروائیاں تھیں، وہ کالعدم ہوئیں، اب یہ فیصلہ ناطق تصور کیا جائے گا۔

ا۔تنخواہ دو ہزار روپیہ [کذا۔روپیا] ماہ واری، جو جناب نواب سیّد کلبِ علی خاں نے حسبِ رواجِ خاندان مقرر کی تھی؛ کونسل کی یہ راے ہے کہ یہ مشاہرہ نسلاً بعد نسل اور بطناً بعد بطن صاحب زادے صاحب کو ریاست سے دیا جائے۔رسید اس کی مثلِ سابق ہو (یعنی جیسے نواب سیّد کلبِ علی خاں کے عہد میں دیتے تھے) لیکن سکونت حدودِ ریاستِ رام پور کے اندر محض کونسل یا فرماں رواے وقت کی منظوری پر منحصر ہوگی۔

۲۔علاوہ مشاہرۂ دو ہزار روپے ماہ وار کے، مبلغ پان سو روپیہ [کذا] ماہ واری تا حیات صیغۂ عنایت سے صاحب زادے کو ریاست سے، بعوض اُن نقصانات کے جو ترکِ سکونتِ رام پور کی وجہ سے عائد ہوئے؛ ملے۔نفاذ اس فیصلے کا یکم جولائی ۱۸۸۹ء سے ہوگا اور ایامِ گذشتہ کی بابت صاحب

زادے صاحب بشرحِ اضافہ شدہ کوئی دعوے پیش نہ کرسکیں گے۔
۳۔ اور کونسل کی یہ رائے ہے کہ مبلغ چھ [کذا۔ چھہ] ہزار روپیہ [کذا] سالانہ تاحیات صاحب

زادے صاحب کو بصیغۂ عنایات، بعوض تقاریب وتیوہار وسرمائی ودیگر مصارفِ غیر معمولی اُن کے اور اُن کی اولاد کے؛ دیا جائے، لیکن ہر تقریب کی بابت اس وقت سے صاحب زادے صاحب کو صرف اطّلاع کرنا ہوگا۔ یہ رقم بھی صاحب زادے صاحب کو یکم جولائی ۱۸۸۹ء سے دی جائے اور ایامِ گذشتہ کی نسبت صاحب زادے صاحب دعوے پیش نہ کرسکیں گے۔
۴۔ قیمت مکان واقع رام پور کی بابت کونسل کی یہ رائے ہے کہ ایک انجینئر؛ صاحب زادے صاحب تجویز کریں اور ایک چیف انجینئر ریاست؛ دونوں مل کر تخمینہ کریں، وہ کونسل منظور کرے اور اگر باہم دونوں انجینئروں کے، اختلاف رہے تو صاحب ایجنٹ کا فیصلہ اُس میں ناطق ہوگا۔
۵۔ سامانِ فرش وآرائش وغیرہ متعلّقہ مکان کی بابت حسبِ دفعہ فیصلہ پنچایتی کیا جائے۔
۶۔ معافی کے گانوؤں کی بابت یہ رائے ہے کہ اُس کی اوّل دَہ سالہ نکاسی قائم کرکے اُس میں سے خرچ منہا دیا جائے اور بقیہ منافع پر بست گنی قیمت لگا دی جائے۔
۷۔ دفعات نمبر۴ و نمبر۵ و نمبر۶ کی بابت، یعنی مکان وغیرہ قیمت میں زرِ نقد دیا جائے۔
۸۔ جب کونسل آف ریجنسی باجلاس کامل ان اُمور پر غور کرکے فیصلہ صادر کرے تو فیصلے کی دو نقلیں تیار کی جائیں۔ ایک صاحب ایجنٹ کو استحکامِ معاہدہ اور اطّلاع گورنمنٹ کے لیے دی جائے اور ایک نقل صاحب زادۂ سیّد حیدر علی خاں کو وائس پریذیڈنٹ؛ صاحب ایجنٹ کے رُوبرو دیں۔
۹۔ صاحب زادے صاحب؛ صاحب ایجنٹ کے رُوبرو یہ اقرار وتصدیق کردیں گے کہ جس قدر ہمارے معاملات اس وقت تک رجوع ہوئے تھے اور پیش ہیں، اُن سب کی نسبت کونسل آف ریجنسی نے پورا فیصلہ کردیا اور ہم نے اس کو بہ ہمہ وجوہ تسلیم کرلیا۔ اب کسی قسم کی دعوے داری مزید ہم کو ریاست سے نہیں رہی۔
۱۰۔ صاحب زادے صاحب اور اُن کی اولاد، حدودِ ریاستِ رام پور کے اندر کونسل یا فرماں روائے وقت کی پروانگی حاصل کیے بغیر؛ سکونت اختیار نہیں کرسکتے۔
۱۱۔ دو ہزار روپیہ [کذا] مشاہرے کی بابت، جو نسلاً بعد نسل ہے؛ صاحب زادے صاحب کو اختیار ہے، جس طرح سے وہ اپنی اولاد پر تقسیم کریں گے، ریاست منظور کرے گی۔
۱۲۔ جب فرماں روائے وقت کا گذر ایسے مقام پر ہوا جہاں صاحب زادۂ سیّد حیدر علی خاں یا اُن کی اولاد مقیم ہو تو لازم ہوگا کہ وہ حاضر ہوں اور نذر پیش کریں۔

۱۳۔ بحالتِ خلاف ورزیِ شرائطِ مندرجۂ عہد نامۂ ہٰذا، لازم ہے کہ جملہ مواجب پنشن و وظیفۂ حیاتی و عنایتی صاحب زادۂ سیّد حیدر علی خاں مصرح در لفٹنٹ گورنر بہادر وقت کی منظوری کے بعد ضبط کیے جائیں۔

دست خط نواب سیّد محمد صفدر علی خاں پریزیڈنٹ کونسل

دست خط صاحب وائس پریزیڈنٹ دست خط جوڈیشنل ممبر دست خط ریونیو ممبر۔(۲۷)

غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس معاہدے میں چار اوامر پر خاص طور پر زور دیا گیا ہے:

ا) معاہدے سے قبل کے زمانے کی نسبت حیدر علی خاں حیدؔر کسی قسم کا کوئی دعوا نہیں کر سکیں گے، گویا اس معاہدے میں قدیم و جدید؛ تمام معاملات کا تصفیہ ہو گیا ہے۔

ب) حیدر علی خاں حیدؔر اور اُن کے متعلّقین میں سے کوئی اگر ریاست رام پور کی حدود میں سکونت اختیار کرنا چاہے تو اس کے لیے ریاست کے فرماں روائے وقت یا لفٹنٹ گورنر یو پی سے اجازت لینی ہوگی۔

ج) حیدر علی خاں حیدر کو ریاست رام پور کی جانب سے دو ہزار روپے ماہانہ مشاہرہ اور پانچ سو روپے ماہ وار کے علاوہ چھ ہزار روپے سالانہ دیگر مدات میں بھی دیے جائیں گے۔

د) ریاست رام پور کے فرماں روائے وقت کا گزر کسی ایسے مقام سے ہو جہاں حیدر علی خاں حیدؔر یا اُن کی اولاد میں سے کوئی سکونت پذیر ہو تو اُن کے لیے لازم ہوگا کہ فرماں روائے ریاست کی خدمت میں حاضر ہو کر نذر گزرائیں۔

مذکورہ بالا اُمور پر غور کرنے سے اُن شکایات کا کسی حد تک اندازہ ہو سکتا ہے جو حیدر علی خاں حیدؔر کو ریاست رام پور اور والیانِ ریاست سے اور والیانِ ریاست کو حیدؔر سے تھیں۔ اسی فیصلے یا معاہدے میں یہ لکھا ہے کہ ریاست کے ساتھ حیدر علی خاں حیدؔر کے تصفیہ طلب معاملات نواب کلبِ علی خاں کی وفات کے بعد کے ہیں، گویا نواب کلبِ علی خاں کی وفات تک حیدؔر اور ریاست میں کسی قسم کا نزاع نہیں تھا۔ نواب کلبِ علی خاں نے اپنی زندگی میں حیدؔر کا وظیفہ دو ہزار روپے ماہانہ طے کیا تھا جو نواب کی زندگی میں حیدؔر غالبًا بغیر کسی تعرض کے حاصل کرتے رہے۔ یہی وظیفہ یا مشاہرہ مذکورہ معاہدے میں بھی قائم رکھا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نواب کلبِ علی خاں کی وفات کے بعد اور غالبًا اپنے گھرانے کے افراد میں اضافے کے بعد اُنھوں نے اپنے مشاہرے میں اضافے کا مطالبہ کیا ہوگا جو تصفیہ طلب رہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح کے تصفیہ طلب معاملات کے حل نہ ہونے کے باعث حیدر علی خاں حیدؔر اپنی مرضی سے رام پور کی سکونت کبھی چھوڑ دیتے ہوں گے اور پھر واپس آجاتے ہوں گے یا اُنھیں منا کر واپس لایا جاتا ہوگا۔ اسی بنا پر معاہدے میں یہ شرط عائد کی گئی کہ فرماں روائے ریاست رام پور یا گورنر یو پی کی اجازت اور مرضی کے بغیر حیدؔر یا اُن کی اولاد میں سے کوئی بھی ریاست رام پور کی حدود میں سکونت اختیار نہیں کر سکتا۔ اس کا مقصد غالبًا یہی تھا کہ حیدؔر یا اُن کے متعلّقین میں سے کوئی بیرونِ ریاست سے سازشوں کے تانے بانے لے کر نہ آسکے اور حکومتِ وقت کے لیے مشکلات پیدا کرنے کا سبب نہ بن سکے۔ معاہدے کی چوتھی شق کا تعلّق بھی اسی معاملے سے ہے۔ اس

طرح حیدؔر اور اُن کے متعلّقین کو ایک طرح سے فرماں روائے ریاست رام پور کا مطیع وفرماں بردار بننے پر مجبور کر دیا گیا۔ نواب کلبِ علی خاں کے بعد حیدؔر نے متعدد بار ایک سے زیادہ مطالبے کیے ہوں گے، اسی لیے یہ بات زیادہ زور دے کر لکھی گئی کہ حیدر علی خاں حیدؔر زمانۂ گذشتہ کی نسبت کسی قسم کا دعوا نہیں کر سکیں گے۔ رام پور میں حیدر علی خاں حیدؔر کی جایداد کی قیمت اور رقم کی نقد ادائی بھی وجہِ تنازع رہی ہو گی جس کے تصفیے میں دو علاحدہ شقوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔

حیدر علی خاں حیدؔر اور ریاست رام پور میں تصفیہ ہونے کے بعد حیدؔر نے اپنی مستقل سکونت رام پور کی حدود سے باہر ہی رکھی، کیوں کہ اکتوبر ۱۸۹۲ء کے دربار میں حیدر علی خاں حیدؔر نے بیرونِ ریاست سے آ کر شرکت کی تھی۔ یہ دربار اس لیے منعقد کیا گیا کہ نواب کلبِ علی خاں کے پوتے نواب حامد علی خاں کے عہد میں لفٹنٹ گورنر یو پی نے اُن کے لیے ایشیا، امریکا، یورپ اور مصر کی سیاحت تجویز کی۔ بعد میں اُنھوں نے ۲۲/ اکتوبر ۱۸۹۲ء کو رام پور میں دربار منعقد کر کے یہ تجویز دربار کے رُو برو بھی تفصیل سے پیش کی۔ اس دربار میں جن افرادِ خاندان نے بیرونِ ریاست رام پور سے شرکت کی، ان میں حیدر علی خاں حیدؔر بھی شامل تھے، بل کہ مولوی نجم الغنی نے اُن کا نام مذکورہ افراد میں سرِ فہرست رکھا ہے۔ (۲۸)

اس کے بعد حیدر علی خاں حیدؔر کا ذکر جنرل اعظم الدین خاں کے قتل کی تحقیقات اور مقدمے میں نظر آتا ہے۔ (۲۹)

قتل کے اس مقدمے کی تفتیش ''کونسل آف ریجنسی'' کے تحت ہوئی لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکل سکا۔ جنرل اعظم الدین خاں کو انگریز حکم ران طبقے میں بار حاصل تھا، اس لیے کونسل سے مایوس ہو کر لیفٹنٹ گورنر یو پی نے صفدر علی خاں کی جگہ میجر ایچ اے ونسنٹ : کمانیر رسالۂ دوم سنٹرل انڈیا کو کونسل کا صدر مقرر کیا اور جنرل اعظم الدین خاں کے چھوٹے بھائی حمید الظفر خاں کو کونسل کا معتمد رسیکرٹری مقرر کر دیا۔ (۳۰)

میجر ونسنٹ نے رام پور آتے ہی جنرل اعظم الدین خاں کے قتل کی تفتیش شروع کر دی۔ ان تحقیقات اور تفتیش میں گواہی کے لیے حیدر علی خاں حیدؔر اور اُن کے بہنوئی سیّد محمد علی خاں عرف چھٹن صاحب خلف سیّد کاظم علی خاں؛ مراد آباد سے رام پور آتے تھے۔ (۳۱) تحقیقات کا آغاز ۱۹/ مارچ ۱۸۹۲ء بروز دوشنبہ ہوا، ۱۱/ ستمبر ۱۸۹۲ء سے کوٹھی خورشید منزل کے سامنے دیوان خانے میں سشن جج نے مقدمے کی کارروائی شروع کی اور ۲۹/ اکتوبر ۱۸۹۲ء کو اپنا فیصلہ سنایا۔ (۳۲) اس مقدمے کی کارروائی میں بھی حیدؔر اور اُن کے بہنوئی شہادت دینے کے لیے مراد آباد سے رام پور آئے تھے۔ (۳۳)

اس مقدمے میں سشن جج نے سعد اللہ خاں پسرِ عبداللہ خاں کو پھانسی کی سزا اور اُس کے بھائی مصطفےٰ خاں کو ''سزائے حبسِ دوام بعبورِ دریائے شور'' یعنی کالے پانی کی سزا سُنائی جو آخر تک بحال رہیں۔ (۳۴) اس میں حیدر علی خاں حیدؔر نے یہ گواہی دی کہ عبداللہ خاں نے اُن کے ہاں (بلسی میں) اُن سے ملاقات میں بتایا تھا کہ اعظم الدین خاں کے قتل کے لیے کونسل کے صدر صاحب زادہ سیّد صفدر علی خاں نے اُسے روپیا دیا تھا۔ (۳۵)

حیدر علی خاں حیدؔر نے جنرل اعظم الدین خاں کے مقدمۂ قتل میں نہ صرف خود عملی طور پر حصہ لیا، بل کہ اُن کے

ایک ملازم مسٹر ہملٹن نے بھی اثباتِ جرم/استغاثہ کی جانب سے گواہی دی۔اس کے صلے میں اُنھیں ۱۹/اکتوبر ۱۸۹۲ء سے چھہ سو روپیا ماہ وار پر ریاست رام پور میں سپرنٹنڈنٹ پولیس مقرر کیا گیا۔ (۳۶) اس سے معلوم ہوا کہ حیدر علی خاں حیدؔر اس پائے کے امیر اور رئیس تھے کہ انگریز یا یورپی باشندوں کو اپنے ہاں ملازم رکھ سکتے تھے۔

ریاست رام پور کی تاریخ میں حیدر علی خاں حیدؔر کا ذکر آخری بار اُس موقعے پر نظر آتا ہے جب انگریز حکومت نے نواب حامد علی خاں کو ریاست کی کامل حکم رانی کے اختیارات تفویض کر دیے تھے۔ یکم جون ۱۸۹۶ء کو ریاست رام پور کی ''کونسل آف ریجنسی'' ختم کر دی گئی اور تمام اختیارات نواب حامد علی خان کو دے دیے گئے۔ نواب حامد علی خان نے کامل اختیارات ملتے ہی جدید انتظامات قائم کیے۔ ان انتظامات میں میر منشیِ ریاست کی تبدیلی بھی شامل تھی۔ کونسل کے زمانے میں میر منشی مولوی فرّخی تھے، نواب صاحب نے اُن کی جگہ منشی للتا پرشاد کو میر منشی مقرر کیا اور مولوی فرّخی سے سرکاری مکانات خالی کرا کے وزیر خاں کے حوالے کیے۔ وزیر خاں کے بارے میں مولوی نجم الغنی نے لکھا ہے کہ وہ حیدر علی خاں حیدؔر کی سفارش پر ریاست رام پور میں ملازم ہوئے تھے۔ اُن کا بیان ہے:

> مولوی فرّخی صاحب سے سرکاری مکانات بھی خالی کرا کر وزیر خاں کو، جو صاحب زادہ سیّد حیدر علی خاں کی سفارش سے عمدہ تنخواہ پر نوکر ہوئے ہیں اور فنِ موسیقی میں خاص دست گاہ رکھنے کی وجہ سے نواب صاحب کے مورد کرم ہیں؛ دے دیا گیا۔ (۳۷)

مولوی نجم الغنی کے اس بیان سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں: اوّل: یہ کہ ۱۸۹۶ء تک، جب اُن کی عمر پچاس سال کے قریب تھی؛ ریاست رام پور کے حکم ران طبقے میں حیدر علی خان حیدؔر کو اتنی اہمیّت حاصل تھی کہ اُن کی سفارش پر کسی کو ''عمدہ تنخواہ'' پر ریاست میں ملازم رکھا جا سکے؛ دوم: ریاست رام پور کے حکم ران نواب حامد علی خاں سے اُن کے اتنے اچھے مراسم تھے کہ اُن کے سفارشی کو نواب صاحب کسی خوبی پر ''موردِ کرم'' سے معزز کر سکتے تھے۔ اسی تناظر میں اُن کے ملازم مسٹر ہملٹن کی ریاست میں اعلا عہدے پر تعیناتی کو بھی دیکھا جا سکتا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

وفات:

لالہ سری رام کا بیان ہے کہ '' آپ نے ۱۹۰۲ء میں بعمر ۶۰ سال انتقال فرمایا''۔ (۳۹) اُن کے علاوہ کسی اور ماخذ سے حیدر علی خاں حیدؔر کی وفات سے متعلّق کوئی معلومات نہیں ملتیں۔ لالہ سری رام کا بیان اس لیے قابلِ اعتبار ہے کہ ایک تو وہ حیدؔر کے معاصر ہیں، دوسرے خود اُن کے بیان کے مطابق حیدؔر کے ''خلفِ اکبر جھمن صاحب راقم کے ملاقاتی ہیں'' (۴۰) گویا وہ حیدر علی خاں حیدؔر سے واقف تھے۔

لالہ سری رام نے وفات کے وقت حیدؔر کی عمر ۶۰ سال تحریر کی ہے۔ اس حساب سے حیدؔر کا سال پیدائش ۱۸۴۲ء ہونا چاہیے، جب کہ اُنھوں نے خود ہی حیدؔر کا سالِ پیدائش ۱۲۶۳ھ تحریر کیا ہے (۴۱) جس کی مطابقت عیسوی سنہ ۱۸۴۷ء سے

ہوتی ہے۔(۴۲) اس حساب سے حیدؔر کی وفات کے وقت اُن کی عمر ۵۵ سال بنتی ہے۔ حیدر کی پیدائش کا سال ۱۲۶۳ھ تو درست ہے، کیوں کہ امیؔر مینائی نے تالیفِ تذکرۂ انتخابِ یادگار کے وقت ۱۲۹۰ھ میں اُنھیں ۲۷ سال کا لکھا تھا۔ ۲۷ سال لکھنا تخمینی نہیں، بل کہ صحیح عمر لکھنے کی نشان دہی کرتا ہے، کیوں کہ تخمینی عمر لکھنے کی صورت میں وہ حیدؔر کو پچیس یا تیس سال کا لکھتے، نہ کہ ستائیس سال کا۔ عام مشاہدہ ہے کہ صحیح عمر معلوم نہ ہونے کی صورت میں تخمینی اندازے سے جو عمر بیان کی جاتی ہے، وہ عموماً پانچ پانچ سال کے وقفے کو ظاہر کرتی ہے۔ حیدؔر کی تخمینی عمر ۶۰ سال لالہ سری رام نے لکھی ہے جو ظاہر ہے اُن کے ملاقاتی حیدؔر کے بڑے بیٹے جھمن صاحب سے اُنھیں معلوم ہوئی ہوگی۔ حیدؔر کے بیٹے نے لالہ سری رام کو امکانی طور پر وہی عمر بتائی جو وفات کے وقت حیدر علی خاں حیدؔر کی محسوس ہوتی ہوگی۔ یوں اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ۱۹۰۲ء میں وفات کے وقت حیدر علی خاں حیدؔر کی عمر ۵۵ برس تھی، ۶۰ برس نہیں۔

مالک رام نے حیدؔر کی وفات ''۱۳۲۹ھ (۱۹۰۲ء)'' میں ''بعمر ۶۰ سال'' لکھی ہے اور اپنے مآخذ میں انتخابِ یادگار کے علاوہ ''خُم خانۂ جاوید ۲: ۵۳۱'' اور ''تذکرۂ کاملانِ رام پور: ۱۲۱'' کے حوالے بھی درج کیے ہیں۔(۴۳) جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے، لالہ سری رام نے حیدؔر کی وفات ۱۹۰۲ء میں ۶۰ سال کی عمر میں ہونی لکھی ہے، جب کہ ۱۳۲۹ھ کا سنہ مالک رام نے حافظ احمد علی شوقؔ کے تذکرۂ کاملانِ رام پور سے لیا ہے۔ دل چسپ اُمر یہ ہے کہ مالک رام نے حیدؔر کی وفات کا سنہ ۱۳۲۹ھ درج کر کے دو فاش غلطیاں کی ہیں۔ اس کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

ا) ۱۹۰۲ء میں حیدؔر کی وفات مستند ہے، اس کی بحث اوپر گذر چکی ہے۔ اس عیسوی سنہ کی مطابقت کسی طور بھی ہجری سنہ ۱۳۲۹ سے نہیں ہوتی۔ ۱۹۰۲ عیسوی کی مطابقت ہجری سنین ۲۰۔۱۳۱۹ سے ہوتی ہے،(۴۴) جب کہ ۱۳۲۹ کا ہجری سنہ ۱۹۱۱ عیسوی کے مطابق ہے۔(۴۵)

ب) دوسری فاش غلطی یہ ہے کہ مالک رام نے تذکرۂ کاملانِ رام پور سے جس ''حیدر علی خاں حیدؔر'' کی سالِ وفات ۱۳۲۹ھ نقل کیا ہے، وہ صاحب زادہ سیّد حیدر علی خاں حیدؔر ابنِ نواب سیّد محمد یوسف علی خاں ناظمؔ نہیں، بلکہ ''حکیم حیدر علی خاں تخلّص حیدؔر ابنِ میاں عبید شاہ قوم افغان ابازی گدون'' ہیں۔(۴۶) مالک رام نے جلد بازی میں محض ''حیدر علی خاں حیدؔر'' کا نام پڑھ کر تصدیق کیے بغیر حکیم حیدر علی خاں حیدؔر افغانی کی تاریخِ وفات ۱۳۲۹ھ صاحب زادہ حیدؔر رام پوری کے کھاتے میں ڈال دی۔ اُنھوں نے جلد بازی میں اس پر بھی غور نہیں کیا ۱۹۰۲ عیسوی کی مطابقت ۱۳۲۹ ہجری سے نہیں ہوتی۔

متعلقین:

حیدر علی خاں حیدؔر کے متعلقین میں اُن کے بہن بھائیوں اور اہلیہ کا ذکر اخبار الصنادید میں موجود ہے لیکن خود اُن کی اولاد سے متعلق اخبار الصنادید یا کسی اور مآخذ سے مکمل معلومات نہیں ملتیں۔ صرف خُم خانۂ جاوید میں اُن کے بیٹوں کا ذکر اور ایک کا نام درج ہے۔

نجم الغنی نے نواب یوسف علی خاں کی اولاد کی جو تفصیل لکھی ہے، وہ درج ذیل ہے:

۱) نواب سیّد محمد کلبِ علی خاں بہادر خُلد آشیاں (فرزندِ اوّل): ان کی ماں فیروز النسا بیگم ملقب بہ نواب بہو بیگم (دختر سیّد عبدالعلی خاں ابنِ نواب سیّد غلام محمد خاں) تھیں۔

۲) صاحب زادۂ سیّد محمد حیدر علی خاں (فرزندِ دوم): طوطی طوائف ملقب بہ سردار دُلھن کے بطن سے تھے۔

۳) صاحب زادۂ سیّد محمود علی خاں (فرزندِ سوم): حسینی خواص کے بطن سے تھے۔

۴) سیّد سیّد علی خاں (فرزندِ چہارم): صاحب زادی بیگم سیدۂ ممتوعہ کے بطن سے تھے۔

۵) اُمراؤ بیگم (بنتِ اوّل): فیروز النسا بیگم کے بطن سے تھیں۔ ان کا بیاہ صاحب زادہ سیّد محمد رضا خاں ولد سیّد اصغر علی خاں ابن سیّد عبداللہ خاں ابنِ نواب سیّد غلام محمد خاں سے ہوا تھا۔ اُن کے انتقال کے بعد اُن کے بڑے بھائی صاحب زادہ زین العابدین خاں عرف کلّن خاں سے نکاحِ ثانی ہوا۔

۶) ننھی بیگم (بنتِ دوم): فیروز النسا بیگم کے بطن سے۔

۷) کلثوم بیگم ملقّب بہ حاتم زمانی بیگم (بنتِ سوم): حیدر علی خاں حیدؔر کی حقیقی بہن، سردار دُلھن کے بطن سے۔ اس کی شادی سیّد فدا علی خاں فدؔا ولد سیّد کاظم علی خاں عرف چھوٹے صاحب خلف نواب سیّد محمد سعید خاں سے ہوئی تھی۔

۸) حسینی بیگم (بنتِ چہارم): خورشید جہاں بیگم ممتوعہ قوم مغل کے بطن سے۔

۹) امامی بیگم: زینب سلطان بیگم ممتوعہ سیّدہ کے بطن سے۔ اس کی شادی سیّد فدا علی خاں فدؔا کے بھائی سیّد محمد علی خاں عرف چھٹن صاحب سے ہوئی۔ انھی چھٹن صاحب نے حیدر علی خاں حیدؔر کے ساتھ جنرل اعظم الدین خاں کے قتل میں شہادت دی تھی۔

۱۰) عباسی بیگم: زینب سلطان بیگم ممتوعہ سیّد کے بطن سے۔ یہ پہلے عنایت حسین خاں سے منسوب ہوئیں، پھر ان کا نکاح سیّد احمد علی خاں عرف بنّن صاحب فرزند سیّد مبارک علی خاں ابنِ نواب سیّد محمد سعید خاں سے ہوا۔ بعد میں ان سے شرعی علاحدگی کے بعد سیّد احمد علی خان عرف شہریار دُلھا ابنِ صاحب زادہ سیّد رضا علی خاں ابنِ صاحب زادہ سیّد اصغر علی خاں ابنِ صاحب زادہ سیّد عبداللہ خاں ابنِ نواب سیّد غلام محمد خاں سے نکاحِ ثانی ہوا۔

حیدر علی خاں حیدؔر کی حقیقی بہن کلثوم بیگم ملقّب بہ حاتم زمانی بیگم کے بارے میں مولوی نجم الغنی نے مزید بتایا ہے کہ اُن کے باپ نواب یوسف علی خاں ناظؔم نے اپنے زمانۂ ولی عہدی میں سراوہ، الف گنج اور باغ حضور پسند، وغیرہ کے مواضع اپنی اس بیٹی کے نام ہبہ کر دیے تھے۔ جیسا کے پہلے تفصیل گذر چکی ہے کہ نواب یوسف علی خاں کو اپنے بیٹے حیدر علی خاں حیدر سے زیادہ انسیّت اور محبت تھی، معلوم ہوتا ہے کہ اُنھیں حیدؔر کی بہن اور اپنی بیٹی یعنی حاتم زمانی بیگم سے بھی دیگر بیٹیوں کی نسبت زیادہ اُنسیت ہوگی۔ نجم الغنی نے نواب یوسف علی خاں کی کسی اور بیٹی کی ایسی کسی جایداد کی نشان دہی نہیں کی جو حاتم زمانی بیگم کی طرح اُن کے باپ نواب یوسف علی خاں نے اُنھیں ہبہ کر دی ہو۔ اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ نواب یوسف علی خاں کو طوطی

طوائف ملقب بہ سردار دُلھن سے زیادہ لگاؤ تھا اور اُن سے اپنی اولاد (حیدؔر اور اُن کی بہن) دیگر اولادوں کی نسبت زیادہ پیاری تھی۔

نواب یوسف علی خاں نے حاتم زمانی بیگم کے نام مواضعات ہبہ کیے تو تخت نشین ہونے کے بعد ۲۸/ جولائی ۱۸۶۳ء کی رُوبکار کے ذریعے اس ہبہ نامے کی تصدیق و تصریح بھی کی۔ اُن کی وفات کے بعد ناچاقی کے سبب حیدؔر کے ساتھ اُن بہن حاتم زمانی بیگم نے بھی رام پور کی سکونت چھوڑ دی، اس لیے اُن کے سوتیلے بھائی نواب محمد کلبِ علی خاں نے مذکورہ جایداد پر سرکاری قبضہ کرلیا۔ اُن کے بیٹے نواب مشتاق علی خاں نے اپنے زمانۂ حکومت میں اپنی پھوپھی حاتم زمانی بیگم کو رام پور بلایا اور ایک روبکار کے ذریعے ۱۵/ اگست ۱۸۸۷ء کو اُن کی ضبط شدہ جایداد واگذار کر کے اُن کے حوالے کر دی، اس کے علاوہ اُنھیں مبلغ ۳۸ ہزار روپے نقد ادائیِ قرض کے لیے بھی دیے۔ اس جایداد کی قیمت ڈیڑھ لاکھ روپے تھی۔ (۴۷)

معلوم ہوتا ہے کہ حاتم زمانی بیگم کی رام پور واپسی اور اُن کی جایداد کی واگذاشت اُن کے بھائی حیدر علی خاں حیدؔر کی کوششوں کے سبب ہوئی۔ یاد رہے کہ نواب مشتاق علی خاں کے دور میں حیدر علی خاں حیدؔر کو دربار میں بڑی اہمیّت حاصل تھی، کیوں کہ اپنے سب سے بااعتماد اور پسندیدہ سردار اور ریاست رام پور کے طاقت ور ترین اہل کار جنرل اعظم الدین خاں کو معزول کر کے اُن کی جگہ حیدر علی خاں حیدؔر کو مدارالمہام بنانے کی کوشش خود نواب مشتاق علی خاں کر چکے تھے۔ اُن کے اس اہم مقام پر فائز ہونے کے پیشِ نظر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اُنھوں نے اپنی بہن کے لیے سفارش کی ہوگی جو ظاہر ہے قبول ہوئی اور حاتم زمانی بیگم کو وہ جایداد دوبارہ حاصل ہوگئی جو عرصہ قبل اُن سے چھن گئی تھی۔

لالہ سری رام نے لکھا کہ حیدؔر نے "۴ و ۵ صاحب زادے یادگار چھوڑے۔ خلفِ اکبر جھمن صاحب؛ راقم کے ملاقاتی ہیں۔"(۴۸) اس بیان کا پہلا حصّہ غیر واضح ہے۔ "۴ و ۵ صاحب زادے" سے کوئی حتمی نتیجہ اخذ نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں یہ معلوم ہونا دشوار ہے کہ حیدؔر کے صاحب زادوں کی تعداد چار تھی یا پانچ! حیرت اس پر ہے کہ ایک طرف تو لالہ سری رام یہ دعوا کرتے ہیں کہ حیدؔر کے بڑے بیٹے اُن کے ملاقاتی ہیں اور دوسری طرف اُن ملاقاتی صاحب سے یہ معلوم نہیں کر سکے کہ وہ کتنے بھائی (بہن) ہیں؟ حیدؔر کے بیٹے سے اُن کے خاندان سے متعلق کافی وشافی معلومات حاصل ہو سکتی تھیں جو لالہ سری رام حاصل نہیں کر سکے۔ اسے لالہ سری رام کی سہل انگاری بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

لالہ سری رام کا بیان اس وجہ سے قابلِ اعتبار ہے کہ حیدؔر کے بیٹے سے اُن کی شناسائی تھی اور حیدؔر اور اُن کے متعلقین کے بارے میں تمام معلومات اُنھیں یقیناً اُنھی سے ملی ہوں گی، چناں چہ یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ حیدؔر کی اولاد میں چار یا پانچ بیٹے تھے۔ غیر واضح بیان کی صورت میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ حیدؔر کے صاحب زادوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ پانچ اور کم سے کم چار تھی۔ ان میں سب سے بڑے صاحب زادے جھمّن صاحب کا نام لالہ سری رام نے لکھا ہے اور بتایا ہے کہ وہ اُن کے ملاقاتی ہیں۔ جھمّن یقیناً عرفیت ہوگی، اصل نام نہیں، گویا لالہ سری رام کو "جھمّن صاحب" کے اصلی نام کا بھی علم نہیں۔

ایک طرف تو لالہ سری رام؛ حیدر علی خاں حیدؔر کے بڑے بیٹے چھمّن صاحب کے ملاقاتی ہونے کا دعوا کرتے ہیں اور دوسری طرف نہ تو وہ چھمّن صاحب کے اصل نام سے واقف ہیں اور نہ اُن کے بھائیوں کی صحیح تعداد کا اُنھیں پتا ہے۔اس سے دو واو امر واضح ہوتے ہیں: یا تو لالہ سری رام اتنے غیر محتاط، بے پروا اور سہل انگار ہیں کہ ملاقاتی ہونے کے باوجود چھمّن صاحب سے حیدؔر اور اُن کے متعلقین کے بارے میں ضروری معلومات حاصل نہیں کر سکے، یا پھر دونوں کی ملاقات کبھی کبھار ہوتی ہوگی، اتنی کبھی کبھار کہ لالہ صاحب؛ چھمّن صاحب سے حیدؔر اور اُن کے خاندان سے متعلّق ضروری معلومات بھی حاصل نہ کر سکے۔ موجود حالات میں دوسرے اَمر کے وقوع ہونے کا امکان زیادہ ہے۔

سکونت:

ولی عہدی کے قضیے کے بعد سے اور خصوصاً اپنے والد نواب یوسف علی خاں کی وفات کے بعد حیدر علی خاں حیدؔر اُن ناراض خاندانیوں میں شامل ہو گئے جو از خود رام پور کی سکونت ترک کر کے چلے گئے تھے۔نواب کلبِ علی خاں کے عہد میں حیدؔر نے پہلے پہل رام پور کو خیر باد کہا لیکن نواب صاحب اپنے بھائی کو کسی نہ کسی طرح منا کر لے آئے اور اُن کا ہر طرح سے خیال رکھا۔اُن کی وفات کے کچھ عرصے بعد حیدؔر نے مطالبات نہ مانے جانے پر ایک مرتبہ پھر رام پور کی سکونت ترک کر دی۔ اب کے انگریزوں کے ماتحت ''کونسل آف ریجنسی'' نے اُن کے مطالبات کا فیصلہ کر کے اُنھیں ہمیشہ کے لیے بیرونِ رام پور سکونت اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔

حیدؔر کی بیرون رام پور کی سکونت کے بارے میں زیادہ تفصیل کے ساتھ لالہ سری رام اور جنرل اعظم الدین خاں نے لکھا ہے۔جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ خود لالہ صاحب کے بیان کے مطابق حیدؔر کے بیٹے اُن کے ملاقاتی تھے،اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام تفصیلات اُنھوں ہی نے لالہ سری رام کو مہیّا کی ہوں گی۔لالہ جی لکھتے ہیں:

> ...اُن کے بڑے بھائی نواب کلبِ علی خاں مسندنشین ہوئے۔تھوڑی [کذا] ہی دنوں میں اُن سے ناچاقی ہو گئی اور مخاصمت اس حد کو پہنچی کہ اُنھیں ریاست چھوڑنی پڑی۔مدّتوں کلکتہ، مرشد آباد، دکن؛ مختلف مقامات میں پھرتے رہے، بالآخر بعض اعلاحکاّم کی وساطت سے نواب کلبِ علی خاں سے مصالحت ہوگئی اور ریاست میں چلے آئے، پھر چند سال بعد ضلع بدایوں میں ایک وسیع قطعۂ اراضی خرید کر (جس کا بلسی (۴۹) نام ہے)، اُسے اپنی قیام گاہ بنایا اور تادمِ آخر وہیں رہے۔(۵۰)

لالہ سری رام کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حیدر علی خاں حیدؔر نے ریاست رام پور کی سکونت دو بار ترک کی: ایک بار اپنے برادر نواب کلبِ علی خاں کے عہد میں اُن سے جھگڑ کر اور دوسری بار بدایوں کے قریب بلسی کے مقام پر سکونت اختیار کر کے۔پہلی بار تو وہ مشرقی اور جنوبی ہندُستان کے علاقوں کلکتہ، مرشد آباد، دکن وغیرہ میں پھرتے رہے۔معلوم ہوتا ہے کہ ان علاقوں میں اُنھوں نے مستقل سکونت اختیار نہیں کی، کیوں کہ یہ تمام علاقے رام پور سے کافی دور واقع ہوئے ہیں۔ اُنھیں سکونت اختیار کرنی تھی تو رام پور سے قریبی علاقے میں اختیار کرتے جیسا کہ دوسری بار اُنھوں نے کیا۔

حیدؔر کی بیرونِ رام پور سکونت سے متعلق کچھ معلومات جنرل اعظم الدین خاں کی اُس رپورٹ سے بھی حاصل ہوتی ہیں جو اُنھوں نے ۸/نومبر ۱۸۸۸ء کو تحریری صورت میں انگریز حاکموں کو پیش کی۔ مولوی نجم الغنی نے اپنی کتاب میں اس رپورٹ کے کچھ حصّے نقل کیے ہیں۔ اس رپورٹ میں جنرل اعظم الدین خاں نے حیدر علی خاں حیدؔر کو عموماً نشانۂ تنقید بنایا ہے اور اُنھیں ہر جگہ مورِدِ الزام ٹھہرایا ہے۔ حیدؔر کی سکونت سے متعلق اس رپورٹ میں ذیل کے بیانات ملتے ہیں:

> صاحب زادہ سیّد حیدر علی خاں... کے رام پور سے دوبارہ علیحدگی کے زمانے میں اُن کی اول بود و باش لکھنؤ اور اَجمیر اور کلکتہ میں رہی،... یہ واقعہ مسلّم ہے کہ جب نواب سیّد کلبِ علی خاں بہادر نے سفرِ عرب کی، حج کی غرض سے، تیاری کی تو اُس وقت اپنا یہ اندیشہ، کہ یہ صاحب زادے بہت چالاک ہیں اور میری غیبت میں خاندانی خلل اندازی کے لیے مستعد ہیں،... سر ولیم میور صاحب بہادر سے، جو اُس وقت ممالکِ مغربی و شمالی (ممالکِ متحدہ) کے لفٹنٹ گورنر تھے؛ مشورہ کیا، جنھوں نے صاحب زادے صاحب کی سکونت کو رام پور کے قریب سے منتقل کرنا تجویز کیا اور جس وقت یہ حکم قطعی دیا گیا کہ رام پور سے فاصلۂ بعید پر سکونت اختیار کریں تو صاحب زادے صاحب نے نواب صاحب کی اطاعت اختیار کر کے بمبئی پہنچ کر شرکت کی اور اپنی در پردہ چالاکیوں سے معذرت کر کے مکّے تک ہم راہ گئے۔ اس ملک میں واپس آنے کے بعد صاحب زادے صاحب نے نواب صاحب کو رنج پہنچانے کے لیے تجدید کی اور پھر رام پور چھوڑ دیا۔... میں نے اُن کی اجمیر سے رام پور کی واپسی میں زیادہ مدد کی تھی۔ یہ مصالحت کچھ زیادہ عرصے تک نہیں رہی، کیوں کہ صاحب زادے صاحب نے نواب سیّد مشتاق علی خاں بہادر کے زمانۂ ریاست میں دو مرتبہ رام پور کو چھوڑا۔ (۵۱)

لالہ سری رام اور جنرل اعظم الدین کی مہیا کردہ معلومات کے مطابق حیدر علی خاں حیدؔر کی بیرونِ رام پور مراجعت درج ذیل موقعوں پر عمل میں آئی:

ا) نواب کلبِ علی خاں کے زمانۂ اقتدار میں سفرِ حج سے قبل۔ جنرل اعظم الدین خاں نے اس میں واپسی کی تفصیل دی ہے۔

ب) جنرل اعظم الدین خاں کے مطابق سفرِ حج سے واپسی کے بعد دوبارہ نواب کلبِ علی خاں اور حیدر علی خاں حیدؔر میں ناچاقی ہو گئی اور حیدؔر نے دوسری مرتبہ رام پور کو خیر باد کہا۔

ج، د) جنرل اعظم الدین خاں کے مطابق نواب سیّد محمد مشتاق علی خاں کے زمانے میں حیدؔر نے دو مرتبہ پھر رام پور کو چھوڑا۔ لالہ سری رام نے آخری بار کی تفصیل دی ہے کہ حیدؔر نے بدایوں کے قریب بلسی کے مقام پر سکونت اختیار کر لی۔

جنرل اعظم الدین خاں نے حیدؔر کے چار بار رام پور چھوڑنے کا ذکر کیا ہے، جب کہ لالہ سری رام نے دو مرتبہ کا ذکر کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہلی بار رام پور چھوڑنا اہم تھا، اس کے بعد وہ ناراض ہو کر رام پور چھوڑتے ہوں گے تو یہ معمول کی کارروائی سمجھی جاتی ہو گی لیکن جب آخری بار اُنھوں نے بلسی میں مستقل سکونت اختیار کر لی تو یہ بھی اہم بات تھی، اس لیے حیدؔر

کے بیٹے کو پہلی اور آخری بار کی تفصیلات یاد رہی ہوں گی اور وہی اُنھوں نے لالہ سری رام کو بتائی ہوں گی جو لالہ صاحب نے حیدؔر کے حالات میں نقل کر دیں۔

حیدر علی خاں حیدؔر نے رام پور کب چھوڑا اور کتنے عرصے تک وہ بیرونِ رام پور رہے، اس کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ملتیں، مختلف تفصیلات سے کسی حد تک زمانے کا تعیّن البتّہ کیا جا سکتا ہے۔ ان واقعات کی تحقیق ترتیب وار کی جاتی ہے:

ا) نواب یوسف علی خاں کی وفات ۲۴/ذی قعدہ ۱۲۸۱ھ مطابق ۲۱/اپریل ۱۸۶۵ء بروز جمعہ ہوئی۔ (۵۲) اُس وقت تک حیدؔر یقینی طور پر رام پور ہی میں تھے۔ باپ کی وفات کے بعد حیدؔر کے بڑے بھائی نواب کلبِ علی خاں مسند نشین ہوئے۔ اُن کے دور میں ۱۹/شوال ۱۲۸۶ھ (مطابق ۲۲/جنوری (۵۳) ۱۸۷۰ء) کو حیدؔر نے نواب کلبِ علی خاں کے ساتھ ''ڈیوک آف ایڈنبرا'' سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں نواب رام پور اور حیدؔر کے ساتھ ولی عہدِ ریاست اور نواب کلبِ علی خاں کے بڑے صاحب زادے سیّد محمد ذوالفقار علی خاں بھی شریک تھے۔ (۵۴) گویا اُس وقت تک حیدؔر ابھی رام پور ہی میں موجود تھے، کیوں کہ اگر وہ بھائی سے ناراض ہوتے تو وہ نواب کلبِ علی خاں کے ساتھ ڈیوک آف ایڈنبرا سے ملاقات میں موجود نہ ہوتے۔ وہ خود اسے پسند نہ کرتے یا نواب صاحب ایسا نہ کرتے جیسا کہ اس کے بعد کئی خاص تقاریب میں نواب کلبِ علی خاں اور دیگر عمایدِ سلطنت کی شرکت کی تفصیلات تو ملتی ہیں لیکن اُن میں حیدؔر کا نام نظر نہیں آتا۔

اس کے بعد نواب کلبِ علی خاں کے سفرِ حج کا زمانہ آتا ہے۔ جنرل اعظم الدین خاں کے مطابق اس سفر میں حیدر علی خاں حیدؔر بمبئی میں نواب کلبِ علی خاں کے قافلے سے جا کر ملے تھے۔ گویا اُس وقت وہ رام پور میں نہیں تھے، بل کہ بیرونِ رام پور سے بمبئی پہنچے تھے۔ یہ سفرِ حج ۲۳/رمضان ۱۲۸۹ھ مطابق ۲۵/دسمبر ۱۸۷۶ء کو شروع ہوا۔ (۵۵) اس سے معلوم ہوا کہ دسمبر ۱۸۷۲ء تک حیدر علی خاں حیدؔر، رام پور کو چھوڑ چکے تھے۔ ''ڈیوک آف ایڈنبرا'' سے ملاقات کے وقت ۲۲/جنوری ۱۸۷۰ء کو حیدؔر رام پور ہی میں تھے۔ اس کے بعد ہی ۲۵/دسمبر ۱۸۷۲ء سے پہلے اُنھوں نے رام پور کو خیر باد کہا۔

جنرل اعظم الدین خاں نے واضح کیا ہے کہ پہلی بار رام پور چھوڑ کر حیدؔر نے لکھنؤ، اجمیر اور کلکتّہ میں بود و باش اختیار کی اور یہ بھی لکھا ہے کہ اجمیر سے رام پور میں حیدؔر کی واپسی اُن کی کوششوں سے ہوئی تھی اور یہ بھی کہ حج سے واپسی کے کچھ عرصے بعد حیدؔر نے رام پور کو پھر چھوڑ دیا تھا۔ اُن کے مطابق حیدؔر نے نواب کلبِ علی خاں کے دورِ حکومت میں دو بار رام پور چھوڑا، یعنی دوسری بار سفرِ حج سے واپسی کے بعد اور پہلی بار سفرِ حج سے پہلے۔ پہلی دفعہ رام پور چھوڑنے پر لکھنؤ، اجمیر اور کلکتّہ کی بود و باش اختیار کرنے اور اجمیر سے رام پور واپسی میں حیدؔر کی مدد کرنے سے معلوم ہوا کہ جنرل اعظم الدین خاں کی اعانت سے اجمیر سے حیدؔر کی جو رام پور واپسی ہوئی تھی، وہ پہلی بار رام پور چھوڑنے سے متعلّق ہے۔ اس طرح سفرِ حج کے دوران نواب کلبِ علی خاں کے قافلے میں حیدر کی شرکت اور واپسی پہلے پہل حیدؔر کے رام پور چھوڑنے سے متعلّق اور واپسی کے بعد دوبارہ رام پور چھوڑنا دوسری بار تھا۔

ان تفصیلات سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ پہلی بار حیدر علی خاں حیدؔر نے نواب کلبِ علی خاں کے دور میں ۲۲؍ جنوری ۱۸۷۰ء اور ۲۵؍دسمبر ۱۸۷۲ء کے درمیان رام پور کو خیر باد کہا اور بقول جنرل اعظم الدین خاں: لکھنؤ، کلکتہ اور اجمیر میں اقامت گزیں ہوئے۔ نواب کلبِ علی خاں سے اُن کی مصالحت جنرل اعظم الدین خاں نے کرائی اور حیدؔر؛ اجمیر سے بمبئی پہنچ کر نواب صاحب کے قافلۂ حج میں شامل ہوئے۔

ب) حیدؔر نے دوسری بار کب رام پور کو چھوڑا، اس کے بارے میں کوئی سراغ نہیں ملتا۔ لالہ سری رام نے رام پور چھوڑنے کے بعد حیدؔر کے ''مدّتوں کلکتے، مرشد آباد، دکن [کے] مختلف مقامات میں پھرتے'' رہنے کا لکھا ہے۔ کلکتے کا ذکر تو پہلی بار رام پور چھوڑنے کے موقعے پر جنرل اعظم الدین خاں نے بھی کیا ہے لیکن مرشد آباد اور دکن کا ذکر اُنھوں نے نہیں کیا۔ جنرل اعظم نے جن تین علاقوں لکھنؤ، اجمیر اور کلکتے کا ذکر کیا ہے، وہ بالترتیب ہندوستان کے وسطی، شمالی اور مشرقی علاقے ہیں، جب کہ لالہ سری رام کا مندرجہ دکن؛ جنوبی علاقے میں واقع ہے۔ امکان تو یہی ہے کہ پہلی بار رام پور چھوڑ کر حیدؔر نے رام پور سے قریب لکھنؤ اور شمالی و مشرقی علاقوں: اجمیر (راجستھان) اور کلکتہ (بنگال) کا رُخ کیا ہوگا اور دوسری بار دکن کی طرف گئے ہوں گے، لیکن یہ محض قیاس ہے۔ ہوسکتا ہے کہ پہلی بار رام پور سے نکل کر حیدؔر نے مشرقی و شمالی علاقوں کے ساتھ دکن کی طرف بھی قدم بڑھائے ہوں۔

جنرل اعظم الدین خاں نے لکھا ہے کہ سفرِ حج سے واپسی کے بعد جلد ہی حیدؔر نے پھر رام پور کو چھوڑ دیا تھا۔ نواب کلبِ علی خاں اور اُن کا وفدِ حج سے واپسی پر ۶؍محرم ۱۲۹۰ھ مطابق ۶؍مارچ ۱۸۷۳ء کو رام پور میں واپس آیا۔(۵۶) جلد ہی رام پور کو دوبارہ چھوڑنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حیدؔر نے ۱۸۷۳ء کے اواخر یا ۱۸۷۴ء میں دوبارہ رام پور کو چھوڑ دیا ہوگا۔

اس کے بعد تاریخِ رام پور میں اُن کا ذکر فروری ۱۸۸۱ء میں نظر آتا ہے۔ اس مہینے میں اُنھیں صاحب زادہ سیّد عباس علی خاں بیتابؔ خلف صاحب زادہ سیّد عبدالعلی خاں عرف منجھلے صاحب کی وفات کے بعد شعبۂ عدالت کے محکمۂ صدر میں حاکم صدر مقرر کیا گیا۔(۵۷) ظاہر ہے اس وقت وہ نہ صرف یہ کہ رام پور میں رہ رہے تھے، بل کہ نواب کلبِ علی خاں سے اُن کے تعلقات بہتر تھے۔ اُنھیں ایک اہم سرکاری ریاستی ادارے میں ایک اہم منصب پر مقرر کیا گیا؛ گویا ۱۸۷۳ء کے اواخر یا ۱۸۷۴ء میں حیدر علی خاں حیدؔر نے رام پور کو دوسری بار چھوڑا تو فروری ۱۸۸۱ء سے قبل واپس رام پور آ چکے تھے۔ نواب کلبِ علی خاں نے ۲۷؍جمادی الآخر ۱۳۰۴ھ مطابق ۲۳؍مارچ ۱۸۸۷ء کو قضا کی۔ اُس وقت حیدر علی خاں حیدؔر رام پور ہی میں تھے، بل کہ نواب مشتاق علی خاں کے عہد میں ۱۸۸۷ء کے اواخر تک رام پور ہی میں تھے۔

ج، د) جنرل اعظم الدین خاں کے بقول نواب مشتاق علی خاں کے عہد میں حیدؔر نے دو بار رام پور کو چھوڑا۔ جنرل اعظم کی پہلی شش ماہی رپورٹ ۲۳؍مارچ سے ۳۰؍ستمبر ۱۸۸۷ء کی ہے جس میں اُنھوں نے یہ بیان دیا ہے(۵۸)، جب کہ نواب مشتاق علی خاں اپنے والد نواب کلبِ علی خاں کی وفات کے دو دن بعد ۲۵؍مارچ ۱۸۸۷ء کو باقاعدہ حاکمِ رام پور بنے۔(۵۹)

اس سے معلوم ہوا کہ ۲۵؍ مارچ سے ۳۰؍ستمبر ۱۸۸۷ء کے دوران حیدر علی خاں حیدؔر نے دوبار ریاست رام پور کو خیر باد کہا۔ جولائی ۱۸۸۷ء میں وہ واقعہ پیش آیا جس میں نواب مشتاق علی خاں نے جنرل اعظم الدین خاں کی جگہ حیدر علی خاں حیدؔر کو مدارالمہام بنانے کی کوشش کی تھی۔(۶۰) اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ گویا جولائی ۱۸۸۷ء تک حیدؔر؛ رام پور ہی میں تھے اور حکمرانِ وقت کے ساتھ اُن کے اچھے روابط تھے۔ اس کے بعد جنرل اعظم الدین خاں کی رپورٹ میں ذیل کا بیان ملتا ہے:

> ۱۰؍ستمبر کو صاحب زادے صاحب نے اس تقویت پر کہ حیدر گنج کی دُکانوں کے مالک ہیں، دُکان داروں سے خواہش ظاہر کی کہ وہ جھوٹے استغاثے نواب صاحب کے مقابلے میں صاحب پولیٹکل ایجنٹ کے حضور میں پیش کریں۔ اُنھوں نے ایسا کرنے سے انکار کیا تو.....(۶۱)

یہ شش ماہی رپوٹ ۲۳؍مارچ سے ۳۰؍ستمبر ۱۸۸۷ء کی ہے(۶۲)؛ گویا ۱۰؍ستمبر ۱۸۸۷ء سے قبل حیدر علی خاں حیدر اور نواب مشتاق علی خاں کے درمیان ناچاقی ہو چکی تھی۔ جیسا کہ پہلے تفصیل گذر چکی ہے کہ جولائی ۱۸۸۷ء میں نواب اُنھیں مدارالمہام بنانا چاہتے تھے لیکن یہ ممکن نہ ہوسکا۔ ہوسکتا ہے اسی کی وجہ سے اگست یا شروع ستمبر ۱۸۸۷ء میں نواب صاحب اور حیدؔر کے تعلقات کشیدہ ہوگئے ہوں۔ گویا ۱۰؍ستمبر سے پہلے یا ۱۰؍ سے ۳۰؍ستمبر ۱۸۸۷ء کے دوران حیدؔر نے رام پور کو چھوڑا ہوگا۔

جنرل اعظم الدین خاں کی رپورٹ کے مطابق ستمبر میں حیدؔر نے رام پور کو چھوڑا تو یہ نواب مشتاق علی خاں کے عہد میں اُن کا رام پور چھوڑنے کا دوسرا واقعہ ہوگا۔ اسی عہد میں پہلی بار اُنھوں نے کب رام پور کو چھوڑا؟ یہ واضح نہیں۔ مولوی نجم الغنی نے بیان کیا ہے کہ نواب کلبِ علی خاں کے عہد میں اُن کی وفات تک حیدر علی خاں حیدؔر اپنے بھائی نواب رام پور کی نیابت کے فرائض ادا کرتے تھے لیکن نوب مشتاق علی خاں نے تخت نشیں ہوتے ہی یہ عہدہ جنرل اعظم الدین خاں کو دے دیا جسے حیدر علی خاں حیدؔر نے بے چون وچرا تسلیم کرلیا۔(۶۳) ممکن ہے یہ فیصلہ حیدؔر کو ناگوار گزرا ہو اور اُنھوں نے بطورِ احتجاج رام پور کو خیر باد کہہ دیا ہو۔ گویا اواخر مارچ یا اپریل ۱۸۸۷ء میں، لیکن جولائی ۱۸۸۷ء میں اعظم الدین خاں کی جگہ اُنھیں دوبارہ مدارالمہام بنانے کی کوشش سے لگتا ہے کہ اس سے قبل وہ واپس رام پور آ چکے تھے۔ ممکن ہے نواب مشتاق علی خاں نے حیدؔر کی حیثیت اور اہمیّت کے پیشِ نظر اُن سے اُن کا پُرانا مقام بحال کرنے کا عہد کر کے اُنھیں واپس بلایا ہو لیکن بوجوہ وہ ایسا نہ کر سکے جس پر ستمبر ۱۸۸۷ء میں حیدؔر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رام پور کو چھوڑ کر بلسی میں رہائش پذیر ہوگئے۔

علمی شخصیت:

حیدر علی خاں حیدؔر شاعر بھی تھے اور نثر نگار بھی۔ شاعری میں وہ میر محمد زکی زکؔی بلگرامی خلف سیّد غلام رضا کے شاگرد تھے(۶۴) جو خود دبیرؔ لکھنوی کے شاگرد تھے۔ اُنھوں نے ۱۲۸۸ھ میں پچاس برس کی عمر میں وفات پائی۔(۶۵) اس سے معلوم ہوا کہ حیدؔر کے شاگردیِ زکؔی بلگرامی کا زمانہ ۱۲۸۸ھ سے قبل کا تھا۔ حیدؔر کی پیدائش ۱۲۶۳ھ کے قریب کی ہے، گویا اُن کی عمر ۲۵ سال کے قریب تھی جب اُن کے اُستاد کا انتقال ہوا۔ اس سے قبل وہ کب زکؔی بلگرامی کے شاگرد ہوئے اور کتنے عرصے تک

شاگرد رہے، ان اُمور کے بارے میں معلومات نہیں ملتیں۔

حیدؔر کی شاگردیِ زکیؔ بلگرامی کا بیان امیؔر مینائی کا ہے، خود حیدؔر نے اس کا اقرار کہیں نہیں کیا۔ جادۂ تسخیر میں زکیؔ بلگرامی کا ایک قطعۂ تاریخ موجود ہے جو اُنھوں نے آغازِ قصّہ کے موقعے پر ۱۲۸۳ھ میں کہا۔ اس کے علاوہ حیدؔر نے قصّے میں تین مقامات پر اُن کے اشعار بھی نقل کیے ہیں (۶۶) لیکن اُنھوں نے روایت کے مطابق کہیں بھی زکیؔ بلگرامی کے نام کے ساتھ اُنھیں اُستاد نہیں لکھا۔ جادۂ تسخیر میں اپنے دیباچے یا کہیں اَور بھی اُنھوں نے زکیؔ بلگرامی کو اپنا اُستاد ظاہر نہیں کیا۔ ان شواہد سے ہم زیادہ سے زیادہ یہ اندازہ کرسکتے ہیں کہ اَور بہت سے شاعروں کی طرح حیدؔر نے بھی بعد میں زکیؔ بلگرامی کی شاگردی سے انحراف کرلیا تھا۔ امیؔر مینائی کا بیان مستند اور اہم ہے، اس لیے یہ تو طے ہے کہ حیدؔر شاعری میں زکیؔ بلگرامی کے شاگرد تھے۔ جادۂ تسخیر کی اشاعت (۱۲۸۹ھ) سے ایک سال قبل زکیؔ بلگرامی فوت ہو چکے تھے، اس لیے اُن کی شاگردی کا اقرار نہ کرنے میں حیدؔر کو کوئی اَمر مانع نھیں تھا۔ جس سال جادۂ تسخیر طبع و شائع ہوئی، اُسی سال امیؔر مینائی نے اپنا تذکرہ لکھنا شروع کیا جو اس سے اگلے سال طبع و شائع ہوا۔ اس میں دل چسپ بات یہ ہے کہ حیدؔر نے جادۂ تسخیر میں زکیؔ بلگرامی کے ذکر میں کہیں بھی اُنھیں اپنا اُستاد نہیں لکھا لیکن اُن کے قصّے سے ایک سال بعد طبع و شائع ہونے والے تذکرے انتخابِ یادگار میں اُنھیں زکیؔ بلگرامی کا شاگرد لکھا گیا ہے۔

مآخذ میں حیدؔر کے کسی اور اُستادِ سخن کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا، اُن کا شعری کلام بھی ہم دست نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے زکیؔ بلگرامی کے بعد کسی اَور سے مشورۂ سخن نہیں کیا اور دوسرے یہ کہ اُنھوں نے دیگر شعرا کی طرح باقاعدہ شاعری نہیں کی۔ ریاست رام پور کے ملازم امیؔر مینائی کے تذکرے میں اُن کے محض چند اشعار ملتے ہیں، حالاں کے شاہی خاندان سے تعلّق رکھنے کے سبب اُنھیں خاص اہمیّت حاصل ہوگی۔ جادۂ تسخیر میں ہر باب کے شروع میں ساقی نامے ہیں۔ انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود مصنّف یعنی حیدؔر کے زائدۂ فکر ہوں گے، کیوں کہ ان میں کسی کا نام یا تخلّص موجود نہیں۔ قصّے میں ایک قصیدہ بھی مصنّف نے اپنی تعلّی میں لکھا ہے۔ امیؔر مینائی نے حیدؔر کے کلام کے تحت اس کا انتخاب دیا ہے جس سے علم ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ خود حیدؔر کا تحریر کردہ ہے، ورنہ قصیدے کے متن یا متعلّقہ عبارت سے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا مصنّف کون ہے۔ ان منظومات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ حیدؔر قادر الکلام سخن گو تھے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے شاعری کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ کہنے کو اُن کا تخلّص بھی تھا اور ایک اُستادِ سخن کے وہ باقاعدہ شاگرد بھی ہوئے۔ اندازہ ہے کہ ریاست رام پور کی سیاسی سرگرمیوں میں مصروفیت کے سبب وہ اپنی ادبی زندگی فعال طور پر نہیں گزار سکے۔

بطورِ نثر نگار حیدؔر کی واحد تصنیف قصّۂ جادۂ تسخیر ہے جو کم سے کم دو بار حیدؔر کی حینِ حیات طبع و شائع ہوئی۔

جادۂ تسخیر تاریخی نام ہے۔ اس سے قصے کے آغاز کی تاریخ ۱۲۸۳ھ (مطابق ۶۷-۱۸۶۶ء) نکلتی ہے۔ ڈاکٹر گیان چند نے اس کی نشان دہی بھی کی ہے۔ (۶۷) خود جادۂ تسخیر کے سرورق پر جلی حروف میں کتاب کے نام کے نیچے اُس کے آغاز کا سنہ ''۱۲۸۳'' بھی درج ہے جو اسی امر کی نشان دہی کرتا ہے۔ اس کے علاوہ حیدؔر نے اپنے سبب تالیف میں

بھی اس کے آغاز کی تاریخ لکھ دی ہے، لکھتے ہیں: ''سنہ بارہ سو تراسی ۱۲۸۳ ہجری میں اس قصہ رنگیں اور فسانہ دل نشیں کو شروع کیا۔ مدّتوں فکر واندیشے سے کام لیا۔''(۶۸) کتاب کے آخر میں چار طرح کے قطعاتِ تاریخ درج ہیں۔ ان میں سے ایک حِصّہ ''تواریخِ آغازِ فسانہ'' سے متعلّق ہے۔ اس حِصّے میں حیدؔر کے باپ نواب یوسف علی خاں ناظمؔ کے اُستادِ سخن منشی مظفّر علی اسیرؔ، منشی سیّد اسمٰعیل حسین منیؔر شکوہ آبادی، منشی امیر احمد امیؔر مینائی، منشی محمد عبدالبصیر حضوؔر بلگرامی، اُستادِ حیدؔر شیخ محمد زکی زکیؔ بلگرامی، شیخ کلّن عاشقؔ باشندہ رام پور ملازمِ سرکار (غالبًا نوب رام پور)، حشمت علی خاں موجدؔ باشندۂ رام پور، منشی الٰہی بخش غریبؔ خوش نویس باشندۂ رام پور، لالہ کنج بہاری لال عاشقؔ ملازمِ سرکار اور میر لطافت علی لطافتؔ ولد سیّد ظہور علی باشندۂ مراد آباد ملازم سرکار حضرت مصنّفِ افسانہ کے قطعاتِ تاریخ شامل ہیں۔ ان سب سے مادۂ تاریخ ۱۲۸۳ھ ہی نکلتا ہے۔(۶۹)

جادۂ تسخیر کی تکمیل اگلے سال ۱۲۸۴ھ (مطابق ۶۸۔۱۲۶۷ء) میں ہوگئی تھی۔ قصّے کے اختتام کے بعد حکیم محمد فتح یاب خاں اخگرؔ کی اڑھائی صفحات کی تقریظ ہے۔(۷۰) اس کے آخر میں اُنھوں نے ایک مختصر مدحیہ مثنوی بھی شامل کی ہے جس کے آخری شعر میں اس کی تاریخِ اتمام کا مادہ ''ریاضِ سیراب'' درج ہے جس سے ۱۲۸۴ھ کے اعداد برآمد ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اس تقریظ میں اُن کا دو شعروں کا قطعۂ تاریخ بھی ہے، اس میں بھی مادۂ تاریخ ۱۲۸۴ھ ہی درج ہے۔ اس کے علاوہ آغازِ قصہ کے قطعاتِ تاریخ کے بعد ''تواریخِ اختتامِ افسانہ'' درج ہیں۔ اس میں مظفّر خاں گرمؔ شاگردِ ذوقؔ، آغا مرزا شاغلؔ دہلوی، آغا یوسف علی محویؔ ایران نژاد، میاں محمد حسین نیّرؔ اور عباس خاں عباسؔ مرحوم کے قطعاتِ تاریخ درج ہیں(۷۱) اور ان سب سے ''۱۲۸۴'' ہی برآمد ہوتا ہے۔

ڈاکٹر گیان چند نے لکھا ہے کہ جادۂ تسخیر کی اشاعت ''نول کشور پریس'' سے ۱۲۸۹ھ (مطابق ۷۳۔۱۸۷۲ء) میں ہوئی۔(۷۲) ڈاکٹر سہیل بخاری کے مطابق جادۂ تسخیر .... پہلی بار ربیع الاوّل ۱۲۸۹ھ مطابق مئی ۱۸۷۲ء میں نول کشور پریس، لکھنؤ سے طبع ہوئی۔''(۷۳)

ڈاکٹر گیان چند اور ڈاکٹر سہیل بخاری کو مغالطہ ہوا ہے۔ ۱۸۷۲ء میں منشی نول کشور کی ملکیّت میں جو مطبع کام کر رہا تھا، اُس کا نام نول کشور پریس تو نہیں تھا، البتّہ ۱۸۷۲ء کی مطبوعہ کتابوں میں اُس کا نام ''مطبع اَوَدھ اخبار، لکھنؤ'' ملتا ہے۔ منشی نول کشور کی زندگی تک (۱۸۹۵ء تک) مطبع نول کشور کی کتابوں پر مطبع کا نام عام طور پر یہی درج ہوتا رہا ہے۔ اُن کی وفات کے بعد مطبع کو منشی نول کشور سے منسوب کر دیا گیا تو مطبعے کا نام ''مطبع منشی نول کشور'' درج ہونے لگا۔ اس دور سے مطبع کا نام ''نول کشور پریس'' لکھا ہوا بھی کہیں کہیں نظر سے گزرتا ہے؛ چناں چہ صحیح صورت یہ ہے کہ جادۂ تسخیر پہلی مرتبہ جس مطبع سے طبع ہوئی، اُس کا نام مطبع اَوَدھ اخبار تھا۔ خود جادۂ تسخیر کی طبعِ ثانی میں اس کی طبعِ اوّل کے قطعاتِ تاریخ بھی درج ہیں۔ اس کے دو حصّے ہیں: پہلے حصّے میں عمومی شاعروں کے ''قطعاتِ تاریخِ طبعِ اوّل افسانہ'' درج ہیں اور دوسرے حصّے میں ''قطعاتِ تواریخِ طبعِ قصّہ .... جادۂ تسخیر متفکرۂ... ملازمانِ مطبع اَوَدھ اخبار'' ہیں۔(۷۴) طبعِ ثانی کا ایک ہی

قطعۂ تاریخ طباعت شامل کتاب ہے جو ''لالہ بھگوان دیال عاقلؔ ملازم مطبع اَودھ اخبار لکھنؤ'' کا زائدۂ فکر ہے۔ (۷۵) ان شواہد سے معلوم ہوا کہ جادۂ تسخیر کی طباعتِ اوّل مطبع اَودھ اخبار میں ہوئی تھی، ''نول کشور پریس'' میں نہیں۔

جادۂ تسخیر کے آغاز و اختتام کی طرح اس کی طباعتِ اوّل کے قطعاتِ تاریخ بھی کتاب میں درج ہیں۔ جیسا کہ اُوپر بیان ہوا کہ اس کے دو حصّے ہیں۔ ان میں سے پہلے حصے میں فتح یاب اخگرؔ، منشی محمد عبدالبصیر حضورؔ، سیّد مصطفےٰ مرزا رشیدؔ کے اور دوسرے حصّے میں منشی امیر اللہ تسلیمؔ خوش نویسِ ''مطبع اَودھ اخبار''، منشی اشرف علی اشرفؔ خوش نویسِ مطبع، منشی فدا علی عیشؔ نائب ایڈیٹر اَودھ اخبار، مولوی محمد فصیح اللہ وفاؔ اور مولوی غلام محمد خاں تپشؔ ایڈیٹر اَودھ اخبار کے قطعات تاریخ شامل ہیں۔ ان کے بعد منشی انوار حسین تسلیمؔ سہسوانی کی تقریظ ہے جو چار صفحات پر مشتمل ہے۔ (۷۶) جادۂ تسخیر کی طبعِ ثانی کا صرف ایک ہی قطعۂ تاریخ شاملِ کتاب ہے۔ یہ قطعۂ تاریخ ''لالہ بھگوان دیال عاقلؔ ملازم مطبع اَودھ اخبار لکھنؤ'' کا تحریر کردہ ہے اور سب سے آخر میں درج ہے۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ جادۂ تسخیر پہلی مرتبہ مطبع اَودھ اخبار، لکھنؤ سے ربیع الاوّل ۱۲۸۹ھ مطابق مئی ۱۸۷۲ء میں شائع ہوئی اور دوسری مرتبہ اسی مطبع (اب کی بار ''نول کشور پریس واقع لکھنؤ'') سے ستمبر ۱۸۹۵ء میں طبع ہوئی۔ (۷۷) پہلی اشاعت کے نسخے از حد کم یاب ہیں۔ اس کا ایک نامکمل ناقص الطرفین نسخہ میں نے کتب خانہ مجلسِ ترقیِ اَدب، لاہور میں دیکھا تھا۔ طباعت ثانی کا ایک نسخہ میرے ذاتی ذخیرۂ کتب میں ہے۔ یہ دونوں نسخے بڑے اہتمام سے شائع کیے گئے۔ دونوں کی کتابت جلی، روشن اور دیدہ زیب ہے۔ عنوانات سُرخ روشنائی سے کتابت کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

مطبع منشی نول کشور/ اَودھ اخبار کی بیش تر کتابیں اتنے اہتمام سے شائع نہیں ہوئیں، یہ اہمیّت معدودے چند کتابوں ہی کو حاصل ہے اور جادۂ تسخیر اُن میں سے ایک ہے، بل کہ شاید صفِ اوّل میں جگہ پانے کے لائق ہے، کیوں کہ یہ کتاب دو مرتبہ منشی نول کشور کے مطبع سے چھپی اور دونوں مرتبہ خاصے اہتمام اور بہت اچھے کاغذ پر چھاپی گئی۔ ایک امکان یہ ہو سکتا ہے کہ خود حیدر علی خاں حیدرؔ نے سرمایہ کاری کر کے اپنی کتاب دونوں بار اہتمام کے ساتھ شائع کرائی ہو لیکن اس کا امکان اس لیے کم نظر آتا ہے کہ جادۂ تسخیر کی طباعتِ اوّل و دوم میں کم و بیش ۲۳ سال (۱۸۷۲ء تا ۱۸۹۵ء) کا فرق ہے۔ اگر حیدرؔ کو اپنی کتاب کے اشاعت سے ایسی ہی دل چسپی ہوتی تو اس تیئس سال کے عرصے میں وہ جادۂ تسخیر کو کم سے کم تین چار بار مزید ضرور شائع کراتے۔ حیدرؔ بہت بڑے رئیس تھے اور جادۂ تسخیر کی اہتمام کے ساتھ اشاعت پر اتنا خرچہ یقیناً نہیں اُٹھتا ہوگا کہ وہ اسے آسانی کے ساتھ برداشت نہ کر سکیں۔

اس سلسلے میں دوسرا امکان یہ ہے کہ منشی نول کشور کے ریاست رام پور کے ساتھ اچھے اور قریبی تعلقات بن چکے تھے۔ مولوی نجم الغنی کا بیان ہے کہ نواب کلبِ علی خاں مسند نشین ہوئے تو دسمبر ۱۸۶۵ء یا ۱۸۶۶ء کے شروع میں اُن کے دربار میں: ''منشی نول کشور صاحب کی عرضی پیش ہوئی۔ خلاصہ عرضی کا سُن لیا، واسطے منشی صاحب کے کچھ عطیہ بتقریب شادیِ صبیہ

تجویز ہورہا ہے''۔(۷۸) اسی طرح نواب سیّد حامد علی خاں کی شادی فروری ۱۸۹۴ء میں ہوئی تو بیرونِ رام پور سے ۱۴۶ معزز مہمانوں کو شادی میں شرکت کے لیے مدعو کیا گیا، ان مہمانوں میں سے ایک منشی نول کشور بھی تھے۔(۷۹) ریاست رام پور کے شاہی خاندان سے منشی نول کشور ان کے روابط کے باعث یہ عین ممکن ہے کہ اُنھوں نے حیدر علی خاں حیدؔر کی کتاب اپنے مطبعے میں اہتمام کے ساتھ طبع وشائع کرنے کا عندیہ دیا ہو، کیوں کہ حیدر علی خاں حیدؔر کا تعلّق بھی ریاست رام پور کے شاہی خاندان ہی سے تھا۔

حیدؔر نے جادۂ تسخیر کا آغاز روایتی طور پر حمدِ ربِّ ذوالجلال سے کیا ہے۔ تین صفحات پر مشتمل اس حمد کے بعد اگلے اڑھائی صفحات میں ''نعتِ سرورِ عالم'' ہے۔ اس کے بعد اُنھوں نے ''تعریفِ شہر یارِ کامگار، نواب نام دار، نظیرِ بدو ُر جناب نواب محمد کلبِ علی خاں صاحب بہادر فرماں روائے رام پور خلداللہ ملکہ وسلطنتہٗ'' تحریر کی ہے جو چھ صفحات پر مشتمل ہے۔

اس کے بعد دو صفحات پر اُن کا قصیدہ درتعلّیِ قلمِ خود ہے جس کا ذکر امیؔر مینائی اور اُن کے حوالے سے دیگر تذکرہ نگاروں نے کیا ہے اور اس قصیدے کے چند شعر حیدؔر کے نمونہ کلام میں درج بھی کیے ہیں۔ یہ قصیدہ ۲۹۔ اشعار پر مشتمل ہے اور اس مضمون کے ضمیمۂ اوّل میں درج کر دیا گیا ہے۔

قصیدے کے بعد ''سببِ تالیفِ کتاب'' ہے۔ اس میں حیدؔر نے واضح کیا ہے کہ ایک روز وہ دربار میں حاضر تھے (نواب کلبِ علی خاں کے دربار میں)۔ اربابِ فن بھی اپنا اپنا کلامِ سخن دکھانے کے لیے تیّار تھے۔ ایسے میں حیدؔر نے سب سے پہلے کچھ کلماتِ نثر دربار میں سُنائے۔ یہ نثر اہلِ دربار اور خصوصاً اُن کے بھائی نواب کلبِ علی خاں کو بہت پسند آئی اور اُنھوں نے اس نثر اور روش پر اُن سے ایک کتاب لکھنے کی فرمائش کر دی، چناں چہ ۱۲۸۳ ہجری میں حیدؔر نے یہ فرمائشی قصّہ تالیف کرنا شروع کیا اور کم وبیش ایک سال کے عرصے میں اسے ۱۲۸۴ھ میں مکمل کیا۔

نواب کلبِ علی خاں ۱۰ر محرم ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۰ر جون ۱۸۶۵ء کو باقاعدہ طور پر مسند نشینِ ریاست رام پور ہوئے(۸۰) اور حیدؔر نے ۱۲۸۳ھ میں اپنا قصّہ لکھنا شروع کیا۔ اس قصّے میں نواب کلبِ علی خاں کے نثری قصیدے اور سببِ تالیف میں قصّہ لکھنے کی فرمائش نواب کلبِ علی خاں کی جانب سے ہونا اور حیدؔر کا اس کی تعمیل کرنا؛ ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ قصے کے آغاز، بل کہ تکمیل (۱۲۸۴ھ) تک حیدؔر اور اُن کے بھائی کے درمیان تعلّقات نہایت خوش گوار تھے اور دونوں بھائی ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے۔ غالباً ۱۲۸۴ھ یا اس کے بعد ہی دونوں کے تعلّقات میں کشیدگی پیدا ہوئی تھی۔

ڈاکٹر سہیل بخاری کا بیان ہے کہ حیدؔر نے 'جادۂ تسخیر' اپنے والد نواب محمد یوسف علی خاں کی فرمائش پر لکھی۔(۸۱) یہ درست نہیں۔ نواب یوسف علی خاں کا انتقال ۲۴ر ذیقعدہ ۱۲۸۱ھ مطابق ۲۱راپریل ۱۸۶۵ء کو ہو گیا تھا(۸۲) اور حیدؔر نے جادۂ تسخیر کی تالیف ۱۲۸۳ھ میں، دو سال بعد شروع کی۔ نواب یوسف علی خاں نے اگر اپنی وفات سے قبل اپنے بیٹے سے قصّہ یا کتاب لکھنے کی فرمائش کی ہوتی تو فطری طور پر حیدؔر اس کا اظہار سببِ تالیف یا دیباچے یا خاتمے میں یا

کہیں اور ضرور کرتے لیکن اُنھوں نے ایسی کوئی بات قصّے میں کہیں نہیں لکھی۔ اُن کے بیان اور نواب کلبِ علی خاں کے اوصاف لکھنے سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب یا قصہ لکھنے کی فرمائش اُن کے بھائی نواب کلبِ علی خاں ہی نے کی تھی۔

جادۂ تسخیر پُر تکلّف لکھنوی اُسلوبِ نثر کی نمائندہ کتاب ہے۔ اس پر فسانۂ عجائب کا اثر صاف طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ منشی انوار حسین تسلیمؔ سہوانی نے جادۂ تسخیر طبعِ اوّل پر تقریظ نما ''خاتمۃ الطبع'' لکھا ہے۔ اس میں ایک جگہ وہ جادۂ تسخیر کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ ''حق تو یہ ہے کہ مصنّف نے اپنا نیا سکّہ بٹھایا، مرزا رجب علی بیگ مغفور سرورؔ کا پرانا نقش اُٹھایا۔ وہ ہندی کی چِندی نکال کر عجیب نقشہ اُتارا ہے، کہ مدّعی تک کہتے ہیں کہ گھر بیٹھے میدان مارا ہے۔''(۸۳) اس سے صاف ظاہر ہے کہ منشی تسلیمؔ سہوانی نے جادۂ تسخیر کا موازنہ فسانۂ عجائب سے کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مصنّف کے پیشِ نظر فسانۂ عجائب کی تقلید نہ ہو لیکن دونوں (جادۂ تسخیر اور فسانۂ عجائب) کے انداز اور اسلوبِ بیان میں بہت حد تک مماثلت کا پایا جانا اسی جانب اشارہ کرتا ہے۔ حیدرؔ کے دور میں فسانۂ عجائب کا اُسلوب ابھی تک لکھنؤ اور اِردگرد کی فضا میں رچا ہوا تھا اور کسی نثر نگار کے لیے (بشمولِ حیدرؔ) ممکن نہ ہو سکا کہ اس کے اثر سے باہر نکل سکیں۔ جس طرح فسانۂ عجائب میں ہر باب رفصل کی ابتدائی عبارتیں مرصّع و مقفّا اُسلوب اور تراکیب در تراکیب سے مملُو ہیں، بعینہٖ یہ انداز جادۂ تسخیر میں بھی ہر جگہ موجود ہے۔ اس کے سوا قصّے کی عمومی زبان فسانۂ عجائب میں بھی سہل ہے اور جادۂ تسخیر میں بھی۔

جعفر علی شیونؔ رضوی کا قصّہ طِلسمِ حیرت ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء میں تالیف ہوا، یعنی جادۂ تسخیر کے کم و بیش پانچ سال بعد اور اس سے اگلے سال شائع ہوا، یعنی جادۂ تسخیر کی اشاعت کے ایک سال بعد۔ شیونؔ رضوی نثر میں سرورؔ کے شاگرد تھے۔(۸۴) یہ قصّہ سیّد فخر الدین حسین سخنؔ شاگردِ غالبؔ کے قصّے سروشِ سخن کے جواب میں ہے جو خود فسانۂ عجائب کے جواب میں لکھا گیا۔ طِلسمِ حیرت اگرچہ فسانۂ عجائب کی حمایت میں اُسی کے طرزِ نثر نگاری میں لکھا گیا لیکن اس میں فسانۂ عجائب کے اُسلوب کی تقلید اُس طرح نہیں کی گئی جیسے جادۂ تسخیر میں کی گئی ہے۔ گیان چند جین کا بیان ہے کہ ''طِلسمِ حیرت؛ فسانۂ عجائب کی طرز میں لکھی گئی ہے لیکن اس کا مابہ الامتیاز یہ ہے کہ یہ کتاب تمام و کمال ضلع جگت میں ہے۔ دو سطریں بھی ایسی نہ ملیں گی جن میں ایہام نہ ہو''۔(۸۵)

اس بیان کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ شیونؔ نے فسانۂ عجائب کے طرزِ بیان کی پیروی کرنے کی کوشش ضرور کی لیکن اپنی طبعی اُپج کے باعث وہ مشکل پسندی میں ایہام اور ضلع جگت کی طرف نکل گئے۔ اس کے مقابلے میں جادۂ تسخیر کا اُسلوب مشکل اور تصنّع پسند لیکن صاف ہے، اس لیے طِلسمِ حیرت کے بجائے جادۂ تسخیر؛ سرورؔ کے فسانۂ عجائب کی کامیاب تقلید ہو سکتی ہے۔

ضمیمہ الف

حیدرؔ علی حیدرؔ کا کلام

بامزہ زیست کا قسمت میں جو ساماں ہوتا　　درد ہی، ہر رگ و پے میں، عوضِ جاں ہوتا
سادے انداز پہ قاتل کے، ہیں کتنے مرتے　　کیسی ٹھہرے گی اگر ہاتھ میں خنجر آیا
نہ لیتا نام محشر کا کبھی، اے واعظِ ناکس!　　خرامِ ناز اگر تُو دیکھتا اُس آفتِ جاں کا(۸۶)

یہ نزاکت آنکھ سے دیکھی نہ کانوں سے سُنی　　دل میں آسکتے نہیں، آنکھوں میں پھر سکتے نہیں
ظُلم سہنا اس قدر اچھا نہ تھا　　میں نے خود عادت بگاڑی آپ کی(۸۷)

ذرا انصاف کر! یہ شرم ہے، اے بے وفا! کیسی؟　　پھرا آنکھوں میں جب تو بے تکلّف پھر حیا کیسی؟(۸۸)

تھی مقدّر میں اگر گردشِ افلاک ہی تو　　اُس کے کوچے میں بھی اِک روز رسائی ہوتی(۸۹)

جادۂ تسخیر میں موقع محل کی مناسبت سے اگرچہ بہت سے اشعار درج ہوئے ہیں لیکن ان میں سے کسی شعر کے ساتھ حیدرؔ یا مصنّف کا نام نہیں ملتا۔ قصّے میں مثنوی کے اشعار زیادہ تعداد میں ہیں اور اشعارِ غزلیات قلیل تعداد میں۔ ان میں سے بہت کم اشعار کے ساتھ شاعروں کے نام لکھے ہیں، بقیہ شعر بغیر کسی نام و تخلص کے ہیں جو غالباً مشہور یا یاد ہونے کی بنا پر لکھ دے گئے لیکن ان کے شاعروں کی تحقیق نہیں کی گئی، اس لیے حیدرؔ کے غزلیہ کلام میں صرف وہی اشعار موجود ہیں جو انتخابِ یادگار میں امیرؔ مینائی نے نقل کر دیے تھے اور اوپر پیش کر دیے گئے ہیں۔ بعد کے تذکرہ نگاروں نے بھی امیرؔ مینائی کے ہاں سے ہی حیدرؔ کا انتخابِ کلام نقل کیا ہے۔

جادۂ تسخیر میں نواب کلبِ علی خاں کی مدح اور سببِ تالیف کے درمیان ۲۹۔اشعار کا ایک قصیدہ ہے۔ یہ قصیدہ قصّے میں بغیر کسی عنوان کے ہے اور اس پر کسی شاعر کا نام بھی موجود نہیں۔ امیرؔ مینائی نے اسے حیدرؔ کی تصنیف بتایا ہے۔ امیرؔ نے اپنا تذکرہ اُسی سال ترتیب دینا شروع کیا جس سال جادۂ تسخیر پہلی مرتبہ شائع ہوئی تھی (۱۲۸۹ھ) اور اس سے اگلے سال یہ تذکرہ مکمل ہو گیا تھا۔ ایک امکان پیدا ہوتا ہے کہ امیرؔ مینائی کو پتا ہو گا کہ یہ قصیدہ حیدرؔ کا زائدہ فکر ہے، کیوں کہ جادۂ تسخیر میں قصیدے پر کسی کا نام درج نہیں اور حیدرؔ کا نام نہ ہوتے ہوئے بھی اُنھوں نے اُسے حیدرؔ کا زائدۂ فکر بتایا ہے؛ لیکن اس قصیدے کی تمہید میں امیرؔ نے لکھا ہے کہ جادۂ تسخیر، جو چھپ گئی ہے،...ایک قصیدہ اُس میں پایا، اُس کا انتخاب تحریر میں آیا''۔(۹۰) گویا امیرؔ کو ذاتی طور پر علم نہیں لیکن چوں کہ قصیدے کا رنگ و آہنگ اور مضامین اسے مصنّف قصّہ کی تصنیف بتاتے ہیں اور یہ قصیدہ قصّے میں شامل ہے، اس لیے امیرؔ مینائی اسے حیدرؔ کا زائدہ فکر سمجھتے ہیں۔ اس قصیدے کے حیدر علی خاں حیدرؔ مصنّفِ قصّۂ جادۂ تسخیر سے انتساب کے لیے ہمارے پاس بھی یہی استدلال ہے، اور بس! حیدر سے

منسوب کرنے کے بعد ضروری ہے کہ یہ قصیدہ تمام وکمال یہاں اُن کے کلام کے تحت درج کیا جائے:(۹۱)

اللہ نے بخشی ہے زباں کو مری، تاثیر
الہام کے مضمون ہیں، اعجاز کی تقریر

میں طوطیِ شکّر شکنِ ہند ہوں گویا
ہے بُلبلِ شیراز کو واجب مری توقیر

دریا ہے روانی پہ مرے فیضِ سخن کا
حاوی مرے مضمون ہیں مری نظم جہاں گیر

پڑ جائے جو پَر تو مری رنگیں سخنی کا
پُھولیں گلِ پژمردہ، کھلے غنچۂ تصویر

سلطانِ فصاحت ہوں، شہنشاہِ بلاغت
باتیں مری جوہر ہیں، زباں ہے مری شمشیر

بے دغدغہ، خامہ ہے مرا شہپرِ جبریلؑ
بے شائبہ، ہے آیۂ قدرت مری تحریر

ہر شعر پہ اِصلاح ہے اُستادِ ازل کی
ہے نظم پہ میری، نظرِ ناظمِ تقدیر

حیران، ذکاوت سے مرے صاحبِ اشراق
آگے مری جودت کے، فلک قائلِ تقصیر

آلودگیِ دہر سے دامن ہے مرا پاک
ہے بادۂ کوثر سے مری خاک کی تخمیر

میں سر خوش و بے غم، حکما مضطرب الحال
وہ قائلِ تدبیر ہیں، میں قائلِ تقدیر

پہنچی نہ تعلّی کو مری، فکرِ فلاطون
جاتی ہے کہیں عرش پہ آوازِ عصافیر

مجذوب ہوں، ہے آہ مری صورکی ہَم دَم
ہو صبحِ قیامت جو کروں نالۂ شب گیر

آزاد ہوں بااِیں ہمہ اسبابِ تعلّق
پابند ہوں بے سلسلۂ لنگر و زنجیر

غفلت میں بھی جو مُنھ سے نکل جائے وُہی ہو
صورت گرِ معنی ہے مری خواب کی تعبیر

نورِ نظرِ اہلِ بصیرت ہیں یہ نُکتے
عکسِ دلِ عارف ہو مری بزم کی تصویر

ہم نام ہوں اُس کا جو ہے اژدرکا درندہ
گر دوں کو ہلاتی ہے مرے نام کی تاثیر

کیا ذکر تخلّص کا، یہ شوکت ہے من اللہ
یہ اسمِ جلالی ہے خطِّ منشیِ تقدیر

توقیعِ سلیماں ہے کہ افسانۂ رنگین
میں صاحبِ تسخیر ہوں یہ جادۂ تسخیر

ہے ناوکِ دل دوز یہ ایک اک سخن راست
کس طرح سے حاسد کے جگر پر نہ پڑیں تیر

جو صاحبِ فطرت ہیں، سمجھتے نہیں یک ساں
اکسیر ہے، گو خاک ہے اور خاک سے اکسیر

عزّت نہیں جاتی ہے، نبوّت نہیں جاتی
فرعون جو موسیٰ کو کرے یاد بہ تحقیر

ہے دیدۂ اعمیٰ میں شب و روز برابر
کب چغد کو آتی ہے نظر مہر کی تنویر

زنگی اگر آئینہ نہ دیکھے تو نہ دیکھے
ہے اُس کی خباثت کہ سکندر کی ہے تقصیر

توبہ! میں کہاں اور کہاں یہ سخنِ لاف!
تھی وجد کے عالم میں یہ تقریر، یہ تحریر

ہر چند کہ اِک یہ بھی ہے عنوانِ بلاغت
تشبیبِ سخن، اہلِ سخن کی نہیں تقصیر

واجب ہے کہ اظہار کرے نعمتِ حق کا — ہے اس میں خموشی، بخدا! باعثِ تکفیر
پر صاحبِ انصاف، نہ انصاف سے گذریں — میں عذر کروں اور وہ بڑھائیں مری توقیر
تشنیع کا پہلو ہے، نہ یہ طعن کا پہلو — منظور نہیں مُجھ کو کسی شخص کی تحقیر
باطن میں تو یہ عجز ہے، ظاہر میں ہے دعوا — جو صاحبِ معنی ہیں، وہ سمجھیں گے یہ تقریر(۹۲)

ضمیمہ ب

حیدؔر کی شادی کے موقعے پر لکھی گئی منظومات

نواب سیّد محمد یوسف علی خاں ناظمؔ رام پوری

سہرا

(۱)

ظلِّ علَمِ احمدِؐ مختار ہے سہرا — سر کو یہی حیدر کے سزاوار ہے سہرا
کب مانعِ نظارۂ رخسار ہے سہرا — خود روشنیِ رخسار سے نمودار ہے سہرا
دیکھو رخِ نوشہ سے پسینے کا ٹپکنا — اب بھی نہ کہوں ابر گہر بار ہے سہرا
ہے نُور کے دریا کا تموّج نظر آتا — ہلتا رُخِ روشن پہ جو ہر بار ہے سہرا
روے عرق آلود سے سیراب کر اس کو — مدت سے ترا تشنۂ دیدار ہے سہرا
ہر تار سجی ہے ابر بہاری کی رگِ جاں — تنہا نہ جگر گوشہ گلزار ہے سہرا
ہیں جمع زبس دیکھنے والوں کی نگاہیں — پھولوں کا بنا تو بھی گراں بار ہے سہرا
گو سر پہ بنھا ہے پر ادھر ہی کو ہے مائل — کیا پاے حنائی کا طرف دار ہے سہرا
ناظمؔ! مجھے یہ روزِ دل افروز مبارک
سرمایۂ آرائشِ انظار(۹۳) ہے سہرا(۹۴)

(۲)

زہرہ نے دائرے(۹۵) پر چاند کے گایا سہرا — چشم بد دور، بڑی دھوم سے آیا سہرا
گوندھ کر تارِ شعاعِ مہ و خورشید بہم — گنگا جمنی یدِ قدرت نے بنایا سہرا
رات باقی تھی کہ سورج نکل آیا جس وقت — واسطے آرسی مصحف کے اٹھایا سہرا
تجھ کو سر سبزیِ جاوید مبارک! نوشہ! — ہے ترے سر پہ یداللہ کا سایا سہرا
فرطِ نازش اسے کہتے ہیں کہ باندھا مضبوط — اس پہ بھی آپ میں پھولا نہ سمایا سہرا

اتنے موتی نہ سمائیں گے کبھی دریا میں — کسی سلیقے سے ہے کشتی میں لگایا سہرا
شاد ہوں، اور یہ شادی ہے مبارک ناظمؔ — مجھ کو اللہ نے حیدر کا دکھایا سہرا(۹۶)

(۳)

ملائک کی رگِ جاں کا ہے سہرا — مگر حیدر علی خاں کا ہے سہرا
نہیں ہے اس سے باہر کوئی موتی — خزانہ ابرِ نیساں کا ہے سہرا
چھٹے ہیں دو طرف گیسو برابر — نمونہ سنبلستاں کا ہے سہرا
دبک ڈالا جو نکلا حتر سے — خلاصہ مہرِ رخشاں کا ہے سہرا
نئی صورت کا ہالہ ہے، نہ کیوں ہو! — بھلا کس ماہِ تاباں کا ہے سہرا!
دُلھن کے گھر کی شوکت کا نشاں ہے — کہ یہ آیا ہوا واں کا ہے سہرا
بہم تاروں میں رشتہ داریاں ہیں — بہت مشتاق داماں کا ہے سہرا
وہ شرمائی ہوئی دولھا کی آنکھیں(۹۷) — کہ جن کے سر پہ مژگاں کا ہے سہرا
نہ کیوں کر خوش سارا ملک ناظمؔ
مرے آسائشِ جاں کا ہے سہرا(۹۸)

''تاریخِ شادی صاحب زادۂ محمد حیدر علی خاں بہادر''
از میر محمد زکی زکؔی بلگرامی (اُستادِ حیدر)

برائے تہنیت در سلکِ نظم آرم چناں مطلع — کہ ہر حرفش کتابے باشد و ہر نقطہ دیوانے
ہزاراں درہزاراست اندریں اصنافِ تالیفی — کہ در ہر صنف تاریخ ست و ہم نظم خوش ارکانے
بایں تکثیر تالیفے شکوں عمر و دولت شد — پے یوسف علی خاں و پے حیدر علی خانے
زکؔی! در گوشِ دل پیہم رسد ایں مژدۂ خوش تر — کہ می گوید سروشِ غیب بالہاے خندانے
زہے نوشہ، زہے شاہے، زہے سامان، زہے شانے — نکو صحبت، نکو جشنے، نکو حالے، نکو آنے(۹۹)

۱۲۷۷

''تہنیت کت خدائی صاحب زادۂ محمد حیدر علی خاں بہادر''
از صاحب زادہ محمد عباس علی خاں بیتابؔ رام پوری

کوئی دنیا میں، بجز سروٗ نہیں پا در گل — نہیں نرگس کے سوا کوئی جہاں میں رنجور
کُو بکو ڈھونڈتی پھرتی ہیں کہ دیں کس کو زکات(۱۰۰) — تھی جو محتاج وہ ایسی ہوئی ہیں ذی مقدور

صفتِ محفل

یہ وہ محفل ہے کہ حسرت میں ہے جس کی جمشید   یہ وہ شادی ہے کہ مشتاق ہے جس کا فغفور
بزمِ عشرت میں سبھی بیٹھے ہیں محفوظ مگر   شمع جلتی ہے کھڑی اور سلگتے ہیں بخور(۱۰۱)

حواشی وتعلیقات

۱۔ جادۂ تسخیر: سببِ تالیف، ص۵۔

۲۔ اخبارالصنادید: جلد دوم، ص۱۳۰؛ انتخاب یادگار: طبقۂ دوم، ص۱۲۰؛ خُم خانۂ جاوید: جلد دوم، ص۵۳۰۔

۳۔ انتخاب یادگار: طبقۂ دوم، ص۱۲۱۔

۴۔ ایضاً، دیباچہ، ص۷۔

۵۔ خُم خانۂ جاوید: جلد دوم، ص۵۳۰؛ قصیدہ نگارانِ اُترپردیش: ص۱۵۳۔

۶۔ خُم خانۂ جاوید: جلد دوم، ص۵۳۰۔

۷۔ اخبارالصنادید: جلد دوم، ص۱۱۶، ۱۱۷۔

۸۔ ایضاً، جلد دوم، ص۱۱۷، ۱۱۸۔

۹۔ شمسۂ تاج دار بیگم: سیّد حیدر علی خاں حیدؔر کی ساس، نواب سیّد احمد علی خاں بہادر والیِ رام پور کی بیٹی اور سیّد مہدی علی خاں کی زوجہ تھیں۔ نواب سیّد احمد علی خاں کی کوئی اولادِ نرینہ نہیں تھی، صرف شمسۂ تاج دار بیگم زندہ رہیں، چناں چہ باپ کی وفات کے بعد اُنھوں نے ریاست رام پور کی حکم رانی کا دعوا کیا لیکن انگریز حکّام غالبًا ریاست رام پور کی عنانِ حکومت کسی خاتون کے ہاتھ میں دینا نہیں چاہتے تھے، اس لیے اُنھوں نے اُن کے بجائے نواب فیض اللہ خاں کے خاندان سے نواب سیّد محمد سعید خاں بہادر ابنِ نواب سیّد غلام محمد خاں بہادر ابنِ نواب سیّد فیض اللہ خاں کو والیِ رام پور مقرر کر دیا۔ شمسۂ تاج دار بیگم اور اُن کے شوہر سیّد مہدی علی خاں آخر تک ریاست رام پور پر اپنے دعوے کے حصول کے لیے کوششیں کرتے رہے، یہاں تک کہ سیّد مہدی علی خان؛ انگلستان بھی گئے اور ملکۂ برطانیہ کے دربار میں بھی استغاثہ پیش کیا لیکن اُنھیں کام یابی حاصل نہ ہوئی۔ حیدر علی خاں حیدؔر کی شادی شمسۂ تاج دار بیگم کی بیٹی سے ہوئی تو وہ اور اُن کا شوہر؛ اپنے داماد حیدؔر کی ولی عہدی کے لیے سرگرم ہو گئے لیکن اس میں بھی کام یاب نہ ہو سکے۔ شمسۂ تاج دار بیگم اور مہدی علی خاں کی ریاست مخالف کوششوں کو نواب سیّد محمد سعید خاں، نواب سیّد محمد یوسف علی خاں اور نواب سیّد محمد کلبِ علی خاں نے بڑی حکمت سے غیر موثر بنایا۔ اُنھوں نے دونوں میاں بیوی کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا، بل کہ حسبِ مقام اُن کے وظیفے جاری رکھے۔

[اخبارالصنادید: جلد اوّل، ص۶۷۲، ۶۷۳؛ جلد دوم، ص۱۱۸۲، ۱۱۹]

۱۰۔ ایضاً، جلد دوم، ص۱۱۶۔

۱۱۔ ایضاً، ص۱۴۳۔

۱۲۔ ایضاً،ص۳۰۲،۳۵۳۔

۱۳۔ ایضاً،ص۲۹۷،۳۰۲۔

۱۴۔ گلّیاتِ ناظم:ص۳۵۹تا۳۶۱۔

۱۵۔ انتخاب یادگار:طبقۂ دوم،ص۱۶۵،۶۷۔یہ تمام سہرے مضمون کے آخر میں ''ضمیمہ ب'' کے تحت درج کیے گئے ہیں۔

۱۶۔ اخبارالصنادید:جلد دوم،ص۱۱۷تا۱۱۹۔

۱۷۔ ایضاً،ص۱۴۲؛انتخاب یادگار:طبقۂ دوم،ص۹۴،۹۵۔

۱۸۔ اخبارالصنادید:جلد دوم،ص۱۴۵۔

۱۹۔ ایضاً،ص۲۸۵،۲۸۶۔

۲۰۔ ایضاً،ص۱۷۳۔

۲۱۔ ایضاً،ص۱۵۱۔

۲۲۔ ایضاً،ص۲۲۱۔

۲۳۔ ایضاً،ص۲۵۲،۲۵۳۔

۲۴۔ ایضاً،ص۲۷۰تا۲۷۲۔

۲۵۔ ایضاً،ص۲۸۰۔

۲۶۔ ''کونسل آف ریجنسی'' کی اصل ''کونسل انتظامیہ'' تھی۔نواب سیّد مشتاق علی خاں ابنِ نواب کلبِ علی خاں بہادر کی علالت اورحکومت کے آخری دنوں میں کاروبارِحکومت چلانے کے لیے۱۸/اپریل ۱۸۸۸ءکوایک ''کونسل انتظامیہ'' قائم کی گئی جو نواب مشتاق علی خاں کی جگہ کاروبارِحکومت چلانے کی ذمّے دارتھی۔اس کے صدرخودنواب مشتاق علی خاں تھےاورنائب صدر جنرل اعظم الدین خاں کومقررکیا گیا۔باقی دوممبروں کی تعیناتی کے لیےلفٹنٹ گورنریوپی سے استدعا کی گئی جنھوں نے سیّدعلی حسن کوممبر مال اور کنورلطیف علی خاں کوممبر صیغۂ عدالت مقررکرکےاُن کی خدمات ریاست رم پور کے سپرد کرنے کے احکامات جاری کیے۔[اخبارالصنادید:جِلد دوم،ص۲۷۴،۲۷۵]نواب مشتاق علی خاں کی وفات کے بعداُن کے بڑے بیٹےنواب سیّدحامدعلی خاں بہادرمسندنشین ہوئے۔اُس وقت اُن کی عمرمحض چودہ سال گیارہ ماہ تھی،اس لیےحکومتِ برطانیہ نے فیصلہ کیا کہ نواب حامدعلی خاں کومغربی تعلیم کے لیے نینی تال بھیج دیا جائےاورریاست کانظم ''کونسل آف ریجنسی'' انجام دے،چناں چہ نواب مشتاق علی خاں کے دورمیں جو''کونسل انتظامیہ'' قائم کی گئی تھی،اُسی کو''کونسل آف ریجنسی'' سے موسوم کیا گیا۔نواب مشتاق علی خاں کی جگہ اس کا صدرصاحب زادہ سیّدصفدرعلی خاں ابنِ نواب سیّدمحمد سعید خاں بہادرکومقررکیا گیا، جب کہ ممبر صیغۂ عدالت نواب یار جنگ مقررکیے گئے،اس لیے کہ کنورلطیف علی خاں پہلے ہی یہ خدمت انجام دینے سے معذوری ظاہرکرکے جاچکے تھے۔[ایضاً،ص۲۷۵]۔''کونسل آف ریجنسی'' نے پہلا اور بڑا کام یہ کیا کہ اہالیِ خاندان کے پرانے جھگڑوں اورمقدمات کا تصفیہ کرنا شروع کیا،چناں چہ حیدرعلی خاں حیدؔر کے معاملے/مقدمے کا تصفیہ ان میں سے پہلا بڑا تصفیہ تھا۔۸/جولائی ۱۸۸۹ءکوایجنٹ حکومت برطانیہ کے رُوبرو حیدرعلی خاں حیدؔر نے ''کونسل آف ریجنسی'' کا یہ تصفیہ قبول کیا۔

۲۷۔ اخبارالصنا دید: جلد دوم، ص ۳۰۷ تا ۳۱۰۔

۲۸۔ ایضاً، ص ۳۲۸۔

۲۹۔ جنرل اعظم الدین خاں ولد جلال الدین خاں ولد نواب غلام معین الدین خاں عرف بھنبھو خاں ابنِ نواب ضابطہ خان خلف نواب نجیب الدولہ۔ آبائی وطن نجیب آباد تھا مگر پرورش ریاست رام پور میں جنرل سیّد علی اصغر خان کے ہاں ہوئی جو اُن کے خالو تھے۔ ۱۸۵۴ء میں پیدا ہوئے۔ شخصیت سیماب صفت تھی۔ فارسی اور انگریزی میں شُد بُد تھی۔ ساری عمر شاہ عبدالصمد الہٰ آبادی کے اثر میں رہے جو ''عیاری کے پُتلے'' تھے۔ جنرل اعظم الدین خان کو نواب مشتاق علی خاں کے عہد میں عروج حاصل ہوا۔ نواب مشتاق علی خاں اُن کے حسنِ انتظام کے معترف تھے اور اُن پر اندھا اعتماد کرتے تھے۔ اُن کی وفات کے بعد نواب حامد علی خاں کی صغرسنی کے باعث کاروبارِ حکومت چلانے کے لیے ''کونسل آف ریجنسی'' قائم کی گئی، اُس میں جنرل اعظم الدین خاں کو نائب صدر مقرر کیا گیا۔ مولوی نجم الغنی کا بیان ہے کہ کونسل میں سب سے زیادہ بااختیار اور طاقت ور جنرل اعظم الدین خاں ہی تھے، یہاں تک کہ کونسل کے صدر صاحب زادہ صفدر علی خان کو برائے نام حیثیت حاصل تھی۔ یہی وجہ تھی کہ صاحب زادہ صفدر علی خاں اور ریاست کے دیگر عمائد جنرل اعظم الدین خاں سے نالاں اور ناخوش تھے۔ آخر کار روہیلہ سردار عبداللہ خاں کے بیٹے مصطفےٰ خاں نے ۳ رمضان ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۳ اپریل ۱۸۹۱ء کی شب اپنے ہاں شادی میں جنرل اعظم الدین خاں کو مدعو کیا اور واپسی پر اُس کے بھائی سعداللہ خاں اور دیگر نے اُنھیں قتل کر دیا۔
[اخبارالصنا دید: جلد دوم، ص ۲۵۳، ۲۵۴، ۳۰۵، ۳۱۸، ۳۲۲، ۳۳۵، ۳۳۶]

۳۰۔ اخبارالصنا دید: جلد دوم، ص ۳۳۰، ۳۳۱۔

۳۱۔ ایضاً، ص ۱۳۱، ۳۳۳، ۳۳۴۔

۳۲۔ ایضاً، ص ۳۳۳، ۳۳۶۔

۳۳، ۳۴۔ ایضاً، ص ۳۳۶۔

۳۵۔ ایضاً، ص ۳۳۸۔

۳۶۔ ایضاً، ص ۳۴۰۔

۳۷۔ ان کا نام مولوی عبدالحمید فرخی تھا۔ زمانۂ تعلیم میں یہ نواب حامد علی خاں کے اُستادِ فارسی رہے تھے۔ ۴ اپریل ۱۸۹۴ء کو ''کونسل آف ریجنسی'' کی تشکیلِ نو ہوئی تو نواب حامد علی خاں نے کونسل کی صدارت سنبھالی اور مولوی فرخی کو کونسل میں میر منشی مقرر کیا۔ [اخبارالصنا دید: جلد دوم، ص ۳۶۱]

۳۸۔ اخبارالصنا دید: جلد دوم، ص ۳۶۷، ۳۶۸۔

۳۹، ۴۰۔ خُم خانۂ جاوید: جلد دوم، ص ۵۳۱۔

۴۱۔ ایضاً، ص ۵۳۰۔

۴۲۔ جوہرِ تقویم: ص ۲۰۶، ۲۰۷۔ تقویم کی رُو سے ۱۲۶۳ھ کے ابتدائی بارہ (۱۲) دن دسمبر ۱۸۴۶ء میں آتے ہیں جنھیں مبادلے میں نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ یاد رہے کہ ۱۲۶۳ھ بطورِ سال پیدائش حیدر بھی تخمینی ہے۔

۴۳۔ تذکرۂ ماہ و سال: ص ۱۳۹۔

۴۴۔ جوہرِ تقویم: ص۲۱۲، ۲۱۳۔

۴۵۔ ایضاً، ص۲۱۴، ۲۱۵۔

۴۶۔ اخبار الصنادید: جِلد دوم، ص۱۳۰، ۱۳۱۔

۴۷۔ ایضاً، ص۲۹۴، ۲۹۵۔

۴۸۔ خُم خانۂ جاوید: جِلد دوم، ص۵۳۱۔

۴۹۔ مولوی انجم الغنی نے اس کا تلّفظ ''بِلّسی'' (با مکسور، لا ساکن اور س مکسور) لکھا ہے۔ رک: اخبار الصنادید: جِلد دوم، ص۳۳۸ (سطر ۱۰)۔

۵۰۔ خُم خانۂ جاوید: جِلد دوم، ص۵۳۰۔

۵۱۔ اخبار الصنادید: جِلد دوم، ص۲۸۴ تا ۲۸۶۔

۵۲۔ ایضاً، ص۱۲۳۔

۵۳۔ جوہرِ تقویم: ص۲۰۸۔

۵۴۔ اخبار الصنادید: جِلد دوم، ص۱۴۲۔

۵۵۔ ایضاً، ص۱۴۵۔

۵۶۔ ایضاً، ص۱۵۱۔

۵۷۔ ایضاً، ص۱۷۳۔

۵۸۔ ایضاً، ص۲۸۲۔

۵۹۔ ایضاً، ص۲۵۲۔

۶۰۔ ایضاً، ص۲۷۱، ۲۷۲۔

۶۱۔ ایضاً، ص۲۸۶، ۲۸۷۔

۶۲۔ ایضاً، ص۲۸۲۔

۶۳۔ ایضاً، ص۲۵۳، ۲۵۴۔

۶۴۔ انتخابِ یادگار: طبقۂ دوم، ص۱۲۱؛ خُم خانۂ جاوید: جِلد دوم، ص۵۳۰۔

۶۵۔ انتخابِ یادگار: طبقۂ دوم، ص۱۶۱۔

۶۶۔ جادۂ تسخیر: ص۶۹، ۲۹۲، ۲۹۳۔

۶۷۔ اُردو کی نثری داستانیں: ص۸۹۳۔

۶۸۔ جادۂ تسخیر: سببِ تالیف، ص۱۶۔

۶۹۔ ایضاً، ص۳۵۴ تا ۳۵۷۔

۷۰۔ ایضاً، ص۳۵۲ تا ۳۵۴۔

۷۱۔ ایضاً، ص۳۵۷، ۳۵۸۔

۷۲۔ اُردو کی نثری داستانیں: ص۸۹۳۔

۷۳۔ اُردو داستان: ص۳۵۸۔

۷۴۔ ایضاً؛ جادۂ تسخیر: ص۳۵۸۔

۷۵۔ ایضاً ص۳۶۶۔

۷۶۔ ایضاً ص۳۵۸ تا۳۶۵۔

۷۷۔ ایضاً ''خاتمۃ الطبع حال'' ص۳۶۶۔

۷۸۔ اخبار الصنادید: جلد دوم ص۱۳۷۔

۷۹۔ ایضاً ص۳۵۱، ۳۵۲۔

۸۰۔ ایضاً ص۱۳۴۔

۸۱۔ اُردو داستان: ص۳۵۸۔

۸۲۔ اخبار الصنادید: جلد دوم ص۱۲۳۔

۸۳۔ جادۂ تسخیر: ص۳۶۳۔

۸۴۔ اُردو کی نثری داستانیں: ص۵۹۵، ۵۹۶۔

۸۵۔ ایضاً ص۶۰۱۔

۸۶۔ یہ شعر خُم خانۂ جاوید کے انتخابِ کلام میں شامل نہیں۔

۸۷۔ خُم خانۂ جاوید میں ''ہم نے خود........'' ہے (جلد دوم: ص۵۳۱)۔

۸۸۔ دوسرے مصرے کا نصف آخر عکس کے مدھم ہونے کی بناپر انتخابِ یادگار میں ناخوانا ہے۔

۸۹۔ انتخابِ یادگار: طبقۂ دوم ص۱۲۱، ۱۲۲؛ خُم خانۂ جاوید: جلد دوم ص۵۳۱۔

۹۰۔ انتخابِ یادگار: طبقۂ دوم ص۱۲۱۔

۹۱۔ انتخابِ یادگار میں اس قصیدے کے ۱۸ اشعار: شعر ۲، ۵، ۷، ۹، ۱۱، ۱۳، ۱۶ درج ہیں (طبقۂ دوم ص۱۲۱)؛ خُم خانۂ جاوید میں شعر ۱، ۲، ۵، ۱۶ (جلد دوم ص۵۳۱) اور قصیدہ نگارانِ اُتر پردیش میں شعر: ۱، ۲، ۵ (ص۱۵۴) درج ہیں۔

۹۲۔ جادۂ تسخیر: ص۱۳ تا ۱۵۔

۹۳۔ ''دائرہ'' [حاشیہ از مرتبۂ کُلّیاتِ ناظم]

۹۴۔ کُلّیاتِ ناظم: ص۳۵۹۔

۹۵۔ ''دائرہ'' [حاشیہ از مرتبۂ کُلّیاتِ ناظم]

۹۶۔ کُلّیاتِ ناظم: ص۳۶۰۔

۹۷۔ اصل: ''دولہا''۔ اس لفظ کا صحیح تلفّظ ''دُلھا'' بروزنِ ''فَعل'' ہے لیکن ناظم نے اسے یہاں بروزنِ فَعْلَن باندھا ہے۔ یوں اُنھوں نے اس کا تلفّظ ''دُلہا'' یا ''دولھا'' لیا ہے۔

۹۸۔ ایضاً ص۳۶۱۔

۹۹۔ انتخابِ یادگار: طبقۂ دوم ص۔

۱۰۰۔ اصل: زکوٰۃ۔

۱۰۱۔ ایضاً ص۲۷۔

کتابیات

۱۔ امیر مینائی، منشی امیر احمد = انتخاب یادگار [تصنیف ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء] لکھنؤ، اُتر پردیش اُردو اکادمی؛ عکسی اشاعت، طبعِ اوّل، ۱۹۸۲ء۔

۲۔ حیدؔر رام پوری، صاحب زادہ سیّد محمد حیدر علی خاں = جادۂ تسخیر [تصنیف ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء] لکھنؤ، مطبع نامی منشی نول کشور؛ بارِ دوم، ستمبر ۱۸۹۵ء۔

۳۔ سری رام، لالہ = خُم خانۂ جاوید، جلد دوم [تصنیف: ۱۹۱۱ء] دہلی، دفتر خُم خانۂ جاوید/لاہور، رائے گلاب سنگھ پریس؛ باراوّل، ۱۹۱۱ء۔

۴۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر = اُردو داستان (تحقیقی وتنقیدی مطالعہ) [تصنیف ۱۹۶۳ء] اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان؛ اشاعتِ اوّل، مارچ ۱۹۸۷ء۔

۵۔ شوقؔ رام پوری، حافظ احمد علی خاں = تذکرۂ کاملانِ رام پور، پٹنہ، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری؛ (عکسی اشاعت دہلی، مارچ ۱۹۲۹ء)؛ دوسری اشاعت مع تصحیحات، ۱۹۸۵ء۔

۶۔ ضیاءالدین لاہوری = جوہرِ تقویم، لاہور، ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ؛ طبعِ اوّل ۱۹۹۴ء۔

۷۔ علی جواد زیدی = قصیدہ نگارانِ اُتر پردیش [تصنیف: ۱۹۸۳ء] لکھنؤ، اُتر پردیش اُردو اکادمی؛ اشاعت دوم، اضافہ شدہ، ۱۹۸۳ء

۸۔ گیان چند (جین، ڈاکٹر) = اُردو کی نثری داستانیں [تصنیف ۱۹۸۳ء]، لکھنؤ، اُتر پردیش اُردو اکادمی؛ اشاعتِ سوم: پہلی اکادمی اشاعت، ۱۹۸۷ء۔

۹۔ ناظمؔ رام پوری، نواب سیّد محمد یوسف علی خاں = کُلّیاتِ ناظمؔ [تصنیفِ ۱۸۶۵ء] مرتّبہ: ڈاکٹر ذکیہ جیلانی۔ علی گڑھ ناشر مرتّبہ؛ پہلی اشاعت، ۱۹۸۵ء۔

۱۰۔ نجم الغنی نجمی رام پوری، مولوی حکیم محمد = اخبار الصنادید، جلد دوم [تصنیف ستمبر ۱۹۱۶ء] لاہور، ملک بُک ڈپو (عکسی اشاعت مطبع منشی نول کشور لکھنؤ، ۱۹۱۸ء)؛ اشاعتِ ششم: پاکستان میں پہلی اشاعت، نومبر ۱۹۹۸ء۔